جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مُدیر

پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

تعارف قاضی گروپ آف کمپنیز

اور اللہ ہی نے تمہارے لیے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا (القرآن)

قاضی انٹرپرائزز 1988 سے پراپرٹی اور کنسٹرکشن کے شعبہ سے منسلک ہیں۔ الحمدللہ جس ادارہ کی بنیاد تقویٰ، توکل، ایمانداری اور جذبہ خدمت خلق پر رکھی گئی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی سے نوازا۔ رب رحیم کا احسان عظیم ہے کہ ادارہ نے اپنے ذیلی اداروں کی محنت اور تعاون سے ترقی کی اور 1999 میں تنظیم نو کرتے ہوئے (قاضی گروپ آف کمپنیز) کا آغاز کیا۔ قاضی گروپ آف کمپنیز میں مندرجہ ذیل ادارے شامل ہیں۔

★قاضی انٹرپرائزز ★قاضی کنسٹرکشن ★قاضی پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز ★قاضی بلڈرز ★قاضی پی ڈی ایچ پی ہاؤسنگ ★اسلامک ویلفیئر فاؤنڈیشن

قاضی انٹرپرائزز ہی کیوں؟ اس لیے کہ

① ہاؤسنگ کے شعبہ میں بہترین تجربہ کار ٹیم۔ ② 4 منصوبے مکمل کرنے کا اعزاز حاصل (جہاں یا تو ہمارے ممبران رہائش پذیر ہو چکے ہیں اور یا پلاٹ فروخت کر کے کئی گنا منافع بھی کما چکے ہیں۔ آپ بھی ہمارے منصوبوں میں سرمایہ کاری کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) ③ **منی بیک گارنٹی** ہماری ہی ہے اگر آپ تعمیر دیکھے مکان یا پلاٹ خریدیں اور دیکھنے پر آپ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بتائے ہوئے منصوبے معیار کے مطابق نہیں ہیں تو آپ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں

④ ہر اتوار کو ہماری گاڑی دفتر سے صبح نو بجے سائٹ وزٹ کے لیے روانہ ہوتی ہے اسلئے پہلے آپ سائٹ دیکھیں اور پھر خریدیں

ہمارے منصوبے

★ الرحمٰن ٹاؤن (مکمل) ★پاسبان ٹاؤن (مکمل) ★ گلستان راشد فیز (I) مکمل ★ فیملی ولاز مری فیز (I) فیز (II) مکمل

★فیملی گارڈن اسلام آباد بکنگ جاری ★موٹروے سٹی فیز (I) فیز (II) بکنگ مکمل ★فیملی اپارٹمنٹ مری فیز (III) بکنگ جاری

★موٹروے سٹی فیز (III) بکنگ جاری ★ قاضی اپارٹمنٹ راولپنڈی بکنگ جاری ★ اسلام آباد مل گارڈن بکنگ جاری

ہمارا دعویٰ ہمارے منصوبے سب سے سستے اور سب سے بہترین، دیکھیں اور فیصلہ کریں

موٹروے سٹی

خصوصیات

☆اسلام آباد کی طرح سرسبز و شاداب پہاڑیوں کے دامن میں
☆نئے اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی بدولت ہر لمحہ نئی ترقی
☆تکہ ڈیم اور محمد مستند کی پارک جیسی سیرگاہیں قریب تر
☆انشاء اللہ تعالیٰ تمام ضروریات زندگی آپ کے دروازے پر
☆پاکستان موٹروے سے چند منٹ کی مسافت
☆فوج کے ریٹائرڈ افراد پر مشتمل منظم سیکورٹی سسٹم کا قیام
☆اسلامک سنٹر کے لیے پچاس کنال زمین وقف
☆قیمتوں میں اضافہ کی بدولت منافع بخش سرمایہ کاری
☆پانی جیسی نعمت کی فراوانی
☆ہر فیز میں شاپنگ سنٹر
☆کشادہ سڑکیں اور گلیاں
☆مسجد، سکول اور ہسپتال گھر کے نزدیک۔

قیمت و طریقہ ادائیگی

قیمت: 9 ہزار روپے فی مرلہ

ایڈوانس: -/1000 روپے فی مرلہ بوقت بکنگ۔

قسط: -/100 روپے فی مرلہ ماہانہ

خصوصی رعایت

29 فروری 2000ء تک

پلاٹ بک کرانے والے کو 15 ہزار روپے فی کنال کی خصوصی رعایت

سائز پلاٹ 5 مرلہ، 10 مرلہ، ایک کنال

تمام ادائیگی بذریعہ بنک ڈرافٹ بنام موٹروے سٹی اکاؤنٹ نمبر 8- ABL 1100 راشد منہاس روڈ برانچ راولپنڈی

یکمشت ادائیگی پر 10 فیصد خصوصی ڈسکاؤنٹ۔ کل قیمت کی پچاس فیصد یکمشت ادائیگی پر فوری رجسٹری

ہیڈ آفس
قاضی انٹرپرائزز
جنگ بلڈنگ مری روڈ راولپنڈی
فون 554464 فیکس 558633
E-mail: shaukat@isb.comsats.net.pk
web: www.qazi.com.pk

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد : ۱۳۶ ، عدد : ۸ ، اگست ۱۹۹۹ ، ربیع الثانی ۱۴۲۰

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون : ۵۴۲۵۳۵۶

فیکس : ۷۸۴۳۱۹۴

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۱۶-۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ : ۱۵ روپے

زر سالانہ : ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران ۴۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ، یورپ

مشرق بعید، افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

عالمی اسلامی حکومت کا نظام

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ضروری نہیں ہے کہ ساری اسلامی دنیا کی حکومت کا نظم و نسق براہ راست ایک خلیفہ کے ہاتھ میں ہو۔ انتظامی اغراض کے لیے اگر مقامی حکومتیں اپنی اپنی جگہ خودمختار رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سب کا قانون کتاب اللہ و سنت رسولؐ اللہ پر مبنی ہو۔ البتہ اسلام کا مقصود اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ تمام مقامی حکومتیں ایک عالم گیر اسلامی وفاق کی جز بن کر رہیں۔ اس وفاقی نظام کے اجزا میں سیاسی' معاشرتی' تہذیبی اور معاشی حیثیت سے پورا پورا تعاون ہو' صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات میں اس پورے نظام کی ایک پالیسی ہو' اور وفاقی مرکز پر خلیفہ اسلام بحیثیت صدر کے متمکن ہو جسے وفاقی اجزا باہمی اتفاق سے یا معتدبہ اکثریت سے منتخب کریں۔

ایک جمہوری نظام حکومت کا قیام و بقا تمام تر مملکت کے اجزائے ترکیبی کی اہلیت پر منحصر ہوتا ہے۔ جب مملکت کے باشندوں کی عظیم اکثریت ناتربیت یافتہ ہو اور ان میں اپنے حقوق و فرائض کا پورا شعور اور جمہوری دستور کی حفاظت کا طاقت ور ارادہ موجود نہ ہو تو وہ دستور کو ضائع کر دیتے ہیں' اور ایسی حالت میں کوئی جمہوری نظام نہیں چل سکتا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ وہ جمہوریت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی' اس کا چلنا تو دستوری شعور سے بڑھ کر تقویٰ اور عدل اور امانت کی بہترین صفات پر موقوف تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں مملکت اسلامیہ بیشتر ان لوگوں پر مشتمل تھی جنھوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانیت کاملہ کی تربیت پائی تھی۔ اس لیے خلافت کا نظام بہترین صورت پر چلا۔ بعد میں جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور بکثرت ایسے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے جنھیں پوری اسلامی تربیت نہ ملی تھی' تو خلافت میں ضعف آنا شروع ہو گیا' یہاں تک کہ جب ناتربیت یافتہ لوگوں کی عظیم الشان اکثریت' ایک قلیل التعداد تربیت یافتہ گروہ کے قابو سے باہر ہو گئی تو خلافت کے نظام کو اس کی اصلی صورت پر چلانا غیر ممکن ہو گیا' اور خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی

(ابوالاعلیٰ مودودی : حواشی بر مضمون "اسلامی قانون اور نظام معاشرت ـ ۲"' مصنف: پروفیسر ڈیوڈ - ڈی سانتی لانا' ترجمہ: مولوی ابونصر محمد خالدی' ترجمان القرآن' ج ۱۴' عدد ۶' جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ' اگست ۱۹۳۹ء' ص ۱۹' ۲۶۔۲۷)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اعلان واشنگٹن اور کارگل سے پسپائی

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

پروفیسر خورشید احمد

ایک مسلمان کے لیے ہر دن بلکہ ہر لمحہ خود احتسابی کا لمحہ ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے قول و عمل پر مسلسل نظر رکھے اور ہر لحظہ یہ جائزہ لیتا رہے کہ کون سا قدم اسے خیر' حق' انصاف اور جنت کی منزل مقصود سے قریب لا رہا ہے اور کون سا قدم اس سے دور لے جا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت سے اگست کا مہینہ ملت پاکستان کے لیے خود احتسابی اور بے لاگ جائزے کا غیر معمولی موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ رب العزت نے ۵۲ سال پہلے' تقریباً دو صدیوں کی غلامی کے بعد اس قوم کو غیروں کی محکومی سے نجات دلا کر ایک آزاد مملکت کی امانت سے نوازا تھا۔ اہل پاکستان کو بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں' آزادی کے ماحول میں' اسلام کے ابدی اصولوں اور عالمگیر پیغام کی روشنی میں ایک ایسا صحت مند' مبنی برانصاف' اللہ کا اطاعت گزار اور دنیوی حیثیت سے قوی اور خوش حال معاشرہ اور ریاست قائم کرنے کا زریں موقع دیا تھا جو ان کے لیے رحمت اور نعمت ثابت ہو اور دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے۔

آج جن حالات میں ہم یوم آزادی کا استقبال کر رہے ہیں وہ صرف چونکا دینے والے ہی نہیں' بلکہ پریشان کن بھی ہیں اور ایک ایسی تنبیہہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اگر یہ قوم اب بھی بیدار نہیں ہوتی اور وقت کی پکار پر لبیک نہیں کہتی تو وہ آزادی ہی معرض خطر میں پڑ سکتی ہے جس نے نئی زندگی اور تاریخی امکانات کا راستہ کھولا تھا۔ بلاشبہ ان ۵۲ برسوں میں آزمایش کی بہت سی نازک گھڑیاں آئیں لیکن کارگل کی بلندیوں کے بعد اعلان واشنگٹن کی پستی اور کارگل سے مجاہدین کی پسپائی نے جو گھمبیر صورت حال پیدا کر دی

ہے اس نے نہ صرف سارے پرانے زخم تازہ کر دیے ہیں بلکہ ہمیں ایسے نئے خطرات سے دوچار کر دیا ہے جن کی زد ملک کے وجود اور قوم کی آزادی پر پڑ رہی ہے۔

ہر پاکستانی آج یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ کیا اب پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ واشنگٹن اور دہلی میں ہونا ہے یا یہ قوم اب بھی اپنے رب کے بھروسے پر اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کا عزم اور داعیہ رکھتی ہے؟ کارگل کی تاریخی کامیابی کو جس سرعت، بے تدبیری اور بے غیرتی سے سفارتی، سیاسی اور عسکری شکست میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس سے ملک کی موجودہ سیاسی قیادت کی صلاحیت ہی نہیں بلکہ وفاداری کے بارے میں ایسے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اب خطرہ صرف باہر سے نہیں اندر سے بھی ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں رہا کہ:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

ہم بڑے دکھ کے ساتھ حالات کے بے لاگ تجزیے کے بعد اپنے اس سوچے سمجھے اور مبنی برحقیقت احساس کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ موجودہ قیادت نے ملک کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اگر اس سے جلد از جلد نجات حاصل نہ کی گئی تو ملک کے وجود اور قوم کی آزادی کو شدید خطرہ ہے۔ اب یہ قیادت اس ملک کے لیے ایک سیکیورٹی رسک (security risk) بن گئی ہے۔ اس نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور قوم کی اصل صلاحیتوں اور تاریخی امکانات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے بھارت، امریکہ اور مغربی اقوام کی دھونس اور بلیک میلنگ کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں اور لڑے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس کی بے بصیرتی اور بزدلی نے بھارت کی عسکری شکست کو فوجی اور سیاسی کامیابی میں بدل دیا ہے۔ اس نے واشنگٹن سے غیر مشروط ڈکٹیشن (dictation) قبول کی ہے اور مجاہدین کی قربانیوں اور شہدا کے خون کا سودا کر ڈالا ہے۔ اس نے قوم کو ایک ایسی ہزیمت سے دوچار کر دیا ہے جو ۱۹۷۱ میں پاکستان کے دولخت ہونے کے سانحے سے کسی طرح کم نہیں۔ جو کردار اس وقت یحییٰ خان اور اس کے ٹولے نے ادا کیا تھا، بالکل وہی کردار موجودہ وزیراعظم اور ان کے مشیروں نے ۱۹۹۹ میں ادا کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا بلکہ تاریخی مواقع کو اس طرح گنوا دیا کہ اصل جارح اور ظالم دنیا کی نگاہ میں سچا اور معصوم بن گیا اور اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے مجاہدین کو عملاً چور اور درانداز بنا کر ایک شرمناک فرار اور پسپائی پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر مستزاد، اس ٹولے کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ ایسی افسوس ناک شکست اور بے وفائی کو "سفارتی کامیابی" اور "علاقے کو جنگ سے بچا لینے" کا نام دیا جا رہا ہے گویا:

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا!

سرکاری ترجمان اور قلم کار جو کھیل کھیل رہے ہیں اس سے نہ تلخ حقائق پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے اور نہ چودہ کروڑ انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکتی ہے۔ اب قوم کے سامنے بظاہر نجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے: تبدیلی قیادت!

موجودہ حکمران اپنا اعتبار (credibility) اور جواز (legitimacy) کھو چکے ہیں۔ اب ان کے قول و فعل پر کوئی بھروسا ممکن نہیں۔ اعلان واشنگٹن اور کارگل سے بے نیل مرام پسپائی محض ایک محاذ سے پسپائی یا ایک معرکے میں ہزیمت نہیں' یہ اس قیادت کے وژن' اس کی خارجہ' دفاعی' معاشی اور نظریاتی پالیسی اور سیاسی اور عسکری حکمت عملی کی مکمل ناکامی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ اس قیادت کی معاملہ فہمی اور صلاحیت کے دیوالیہ پن ہی کا ثبوت نہیں' بلکہ ملک اور اس کے حقیقی مفادات سے اس کی بے وفائی اور غداری کی عکاس ہے۔ اس کا اصل جرم یہ ہے کہ اس نے محض اپنے اقتدار کے لیے کشمیر اور پاکستان دونوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں ایک ناقابل تقسیم وحدت ہیں اور ایک کے مفاد کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس قیادت نے نظری اور عملی ہر دو اعتبار سے ایک ایسی پوزیشن کو قبول کر لیا ہے جو آج تک کی تمام کوششوں اور قربانیوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔ یہ عملاً بھارت کی شرائط پر معاملات طے کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کا باعث ہو گی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ خدانخواستہ پاکستان امریکہ کے عالمی نظام میں ایک محکوم قوم اور علاقے میں بھارت کے طفیلی ملک کی حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ ایک نیوکلیرپاور بننے کے ایک ہی سال بعد پاکستان کو اس مقام کی طرف دھکیلنے کا کھیل کھیلنے والوں کو اس ملک کی قیادت اور نمایندگی کا کوئی حق نہیں۔ اب آزادی' عزت اور باوقار زندگی اسی وقت ممکن ہے جب اس قیادت سے نجات حاصل کی جائے اور قوم کی زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں' جو آزادی کی قدر و قیمت سے آشنا ہوں' جو ملت پاکستان کے مقاصد' آرزوؤں اور تمناؤں کے شناسا ہوں' جو امانت اور دیانت کا نمونہ ہوں۔ اب ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو اس قوم کو مغربی اقوام کی نظریاتی' معاشی' تہذیبی اور سیاسی محکومی اور بھارت کی علاقے پر بالادستی (hegemony) سے نجات دلانے کا عزم اور صلاحیت رکھتی ہو۔ آج ملک ایک ایسے فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے جہاں تبدیلی قیادت کے سوا نجات اور زندگی کا کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا۔

بلاشبہ اس وقت پوری قوم غم و غصے میں مبتلا ہے۔ لیکن ہم نے اوپر جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ نہ جذبات پر مبنی ہے اور نہ کسی گروہی یا حزبی عصبیت پر۔ ہم اس رائے کا اظہار حالات کے معروضی جائزے اور حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کے حسن و قبح کے بے لاگ تجزیے کے بعد کر رہے ہیں۔

اعلان واشنگٹن کے الفاظ مختصر ہیں لیکن اس کا مفہوم اور اس کے تقاضے بڑے ہولناک ہیں۔ کلنٹن کے ساتھ یہ معاہدہ ایک ڈرامائی انداز میں پاکستانی قوم اور اس کے اصولی موقف کو یکسر نظرانداز کر کے ایک ایسے وزیراعظم نے کیا ہے جس پر خوف اور گھبراہٹ طاری تھی اور جسے قوم' پارلیمنٹ حتیٰ کہ اس کی اپنی کابینہ نے بھی کسی ایسے معاہدے کا اختیار نہیں دیا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر مسئلہ کشمیر کے اہم ترین فریق' تحریک مزاحمت اور اس کی سیاسی اور عسکری قیادت سے نہ مشورہ ہوا اور نہ کسی مرحلے پر اسے اعتماد میں لیا گیا۔ فطری طور پر اس معاہدے کو پوری قوم نے اور تحریک جہاد کشمیر کی سیاسی (کل جماعتی حریت کانفرنس) اور عسکری (متحدہ جہاد کونسل) نے مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے جس کے نتیجے میں اس معاہدے ہی کی نہیں بلکہ نواز حکومت کو جو بھی برا بھلا جواز حاصل تھا' وہ ختم ہو گیا ہے۔

اس معاہدے کے تجزیے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نواز حکومت نے چار فاش غلطیاں کی ہیں:

۱۔ یہ کشمیر کے مسئلہ کو' جس کی اصل اور بنیاد اہل جموں و کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کے حصول کے لیے بھارت کی غاصب قوت کے خلاف سیاسی اور عسکری جدوجہد ہے' محض ایک پاک بھارت تنازع بنا دینے کی مذموم کوشش ہے۔ بھارت کی ساری کوشش ہی یہ رہی ہے کہ وہ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو بھلا کر محض پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک دو طرفہ معاملہ بنا دے۔ "انٹرنیشنلائزیشن" کے سارے خیالی دعووں کے علی الرغم یہ حقیقت ہے کہ اعلان لاہور اور اب اعلان واشنگٹن کی شکل میں اس حکومت نے سب سے بڑا جرم یہ کیا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کو دو حکومتوں کے درمیان ایک مسئلے کی شکل دے دی ہے اور اسے دو طرفہ مذاکرات کے شکنجے میں کس دیا ہے۔

۲۔ یک طرفہ طور پر کارگل سے واپسی کا وعدہ کیا گیا ہے جس کے ذریعے تین ظلم کیے گئے ہیں یعنی:

(i) تحریک جہاد کا سودا کرنا' جس کا اختیار پاکستان کو نہیں۔

(ii) اس جہاد میں پاکستان کی شرکت (involvement) کو تسلیم کرنا اور امریکہ کو یہ اطمینان دلانا کہ حکومت پاکستان مجاہدین کو واپس بلا سکتی ہے۔ گویا کہ یہ ایک عوامی تحریک نہیں جسے پوری ریاست جموں و کشمیر کے عوام لے کر چل رہے ہیں بلکہ سب کچھ "پاکستان کے حمایت یافتہ مداخلت کاروں" کا کیا دھرا ہے جسے حکومت جب چاہے ختم کرا سکتی ہے۔

(iii) بھارت نے جو الزام پاکستان پر لگایا تھا اور جس کا انکار حکومت' فوج اور پوری پاکستانی قوم کر رہی تھی' وزیراعظم صاحب نے اپنے شوق امن پسندی میں خود اس الزام کو اپنے اوپر اوڑھ لیا اور اپنا اور ملک کا منہ کالا کیا۔

۳۔ کشمیر میں لائن آف کنٹرول کی "تقدیس" (sanctity) اور اس کے مکمل "احترام" (respect) کے اصول کو تسلیم کر لیا حالانکہ یہ محض ایک جبری لائن ہے جسے حالات نے مسلط کیا ہے اور جسے اہل کشمیر اور اہل پاکستان نے کبھی بھی' مقدس تو کیا' کسی صورت میں قابل قبول سرحد کے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ تاشقند اور شملہ کے معاہدوں تک میں جہاں اس کا ذکر جنگ بندی کی لائن (cease fire line) (تاشقند) اور قبضہ کی حد (line of control) (شملہ) قرار دیا گیا ہے اس امر کا صاف اظہار کیا گیا ہے کہ یہ محض عارضی انتظام ہے۔

"Without prejudice to the recognised positions of either side" (Simla Accord Article IV, clause, (ii))

لیکن اس اعلان واشنگٹن میں نہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کوئی ذکر ہے اور نہ لائن آف کنٹرول کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار۔ آنکھ بند کر کے اس کے احترام اور تقدیس کا کلمہ پڑھ لیا گیا ہے اور اس طرح کشمیر کی تقسیم کے ظالمانہ اور مجرمانہ منصوبے کے لیے زمین ہموار کی گئی ہے۔

۴۔ بھارت اور امریکہ دونوں سے مسئلہ کشمیر کے حل' اقوام متحدہ کی قراردادوں کے فریم ورک میں حق خود ارادیت کے حصول' بھارتی فوجوں کی واپسی' بھارتی فوجوں' بارڈر سیکیورٹی فورس' پولیس اور "بغاوت" فرو کرنے کے اقدامات کے بارے میں کسی ضمانت اور واضح ٹائم ٹیبل کے مطابق لائحہ عمل کی ضمانت کے بغیر کارگل سے واپسی کا وعدہ اور اس کے لیے ایسے عملی اقدام کرنے کا عہد کیا گیا ہے جو دو ہفتے کے اندر اندر علاقے پر بھارت کے تسلط کو بحال کر دیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو آزاد ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں بلکہ ایک نے حکم دیا اور دوسرے نے سر تسلیم خم کر دیا۔ بھارت تو معاہدہ میں شریک ہی نہیں اس لیے وہ کسی بھی بات کو پورا کرنے سے صاف صاف انکار کر رہا ہے۔ رہا امریکہ تو اس نے صرف اتنا کرم کیا ہے کہ جب نواز شریف صاحب اپنے وعدے پورے کر دیں گے اور مجاہدین سے کارگل کو خالی کرا کر بھارت کو یہ علاقہ تحفہ میں دے دیں گے تو اس علاقے میں تصادم رک جائے گا اور کلنٹن صاحب "ذاتی دلچسپی" لیں گے کہ پاک بھارت مذاکرات اعلان لاہور کے مطابق بحال ہو جائیں۔ پاکستان کسی سے بھی تبادلے میں کوئی چیز (Quid Pro Quo) حاصل کرنے میں قطعاً ناکام رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بھارت کے مظالم اور ناجائز قبضے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ تحریک آزادی اور حق خود ارادیت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ ۶۳-۱۹۶۲ کے مذاکرات کا کیا حشر ہوا اور شملہ معاہدہ کے بعد ۲۷ سال تک مذاکرات کس طرح تسبیح تاژ کیے گئے' ایک بار پھر محض مذاکرات کی بحالی کی امید پر اپنے سارے پتے زمین پر

پھینک دیے گئے ہیں اور محض امریکی صدر کی "ذاتی دلچسپی" کے وعدے پر ساری بازی لگا دی گئی ہے۔

نواز شریف صاحب اور ان کے حواری جو بھی کہیں، پاکستان کی قیادت نے واشنگٹن میں اپنی تاریخ کی سب سے بڑی شکست کھائی ہے اور پوری قوم اور تحریک جہاد کشمیر کو ذلیل و خوار کیا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ امریکہ، برطانیہ اور بھارت کے اخبارات اور اہم تجزیہ نگاروں کے تبصروں سے کیا جا سکتا ہے۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے بڑے صاف الفاظ میں نواز شریف صاحب کے کارنامے کو بیان کیا ہے۔ اس نے پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کس طرح ملاقات کے لیے التجا کی (he begged for a meeting) پاکستان کو کچھ نہیں ملنا تھا۔ کلنٹن نے کہا: بس یہ کرنا ہے۔ حملہ آوروں کو بھارتی علاقے سے واپس بلاؤ۔ نواز نے واپسی کا وعدہ کیا۔ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کی صورت میں پاکستان آنے کا مبہم وعدہ کیا۔ ثالثی کی کوئی پیش کش نہیں کی (۱۹ جولائی ۱۹۹۹)

ٹائم میگزین نے واضح طور پر لکھا کہ پاکستان کو امریکہ سے کوئی حمایت نہیں ملی۔ مشترکہ بیان was a slap on Sharif's wrist۔ شریف نے امریکہ میں ٹھیک وہی وعدے کیے جن کا بھارت مطالبہ کر رہا تھا (۱۹ جولائی ۱۹۹۹)

واشنگٹن پوسٹ نے اداریے میں لکھا کہ بھارت اس بات کے مزے لے رہا ہے کہ اس لڑائی میں حق اس کی طرف ہے۔ وہ کشمیریوں کو حق خود ارادی کا ذائقہ چکھانے کے کسی موڈ میں نہیں ہے (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون، ۱۶ جولائی ۱۹۹۹)

اکانومسٹ، لندن نے لکھا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ جب حمایت برقرار نہیں رکھی جا سکی تھی تو اقدام کیا ہی کیوں گیا۔ فوج کے ریٹائرڈ افسران سمجھتے ہیں کہ میدان جنگ کی فتح کو سفارتی شکست میں تبدیل کر دیا گیا۔

پورا عالمی پریس نواز شریف حکومت کو آئینہ دکھا رہا ہے۔ اس نے کس طرح مجاہدوں کی حاصل کردہ کامیابی کو جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ بھارت کے چنگل سے کشمیر کو آزاد کرانے کی جدوجہد کو ایک نئے اور کامیاب دور میں داخل کرنا ممکن ہو گیا تھا بلکہ نیوکلیر صلاحیت حاصل کرنے کے بعد بھارت سے پہلے معرکے میں خود پاکستان کے ایک ناقابل تسخیر قوت بن جانے کو ثابت کرنے کا نادر موقع حاصل ہو گیا تھا محض موہوم خطرات کے خوف اور بیرونی دباؤ میں آکر ایک شرمناک شکست میں تبدیل کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

بھارت اور مغربی اقوام، خصوصیت سے امریکہ اور اس کے زیر اثر جی-۸ نے جب یہ محسوس کر لیا

کہ کارگل کی کامیابی کی وجہ سے کشمیر میں تحریک مزاحمت ایک نئے دور میں داخل ہو گئی ہے اور بھارت کے لیے اس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں' تو کئی محاذوں پر بڑی جارحانہ کارروائی شروع کی گئی تاکہ پاکستان کی حکومت کو خوفزدہ کیا جاسکے اور لڑے بغیر ہی اسے میدان چھوڑنے پر مجبور کیا جاسکے۔ اس کے لیے پہلا محاذ یہ کھولا گیا کہ حکومت اور فوج کے درمیان خلیج پیدا کی جائے اور بیرونی دباؤ کے ساتھ داخلی انتشار بھی پیدا کیا جائے۔ اس کے لیے بھارت اور عالمی میڈیا نے نت نئے پینترے بدلے اور ایسی فضا بنائی جس سے خوف و ہراس پیدا کیا جاسکے۔

نفسیاتی جنگ کا دوسرا محاذ اور بھی چابکدستی سے کھولا گیا جس میں خود نواز شریف صاحب کو فوج کے ردعمل کے خطرات کے علاوہ اسلامی قوتوں اور خصوصیت سے جہادی قوتوں سے خائف کرنے کی کوشش کی گئی۔ "پاکستانی طالبان" اور "اسلامی بنیاد پرستوں" کے قبضے کے افسانے ہر طرف سے چھیڑے گئے اور نواز شریف صاحب کو مغرب کی تائید کا دلاسا دیا گیا بشرطیکہ وہ قدم پیچھے اٹھانے پر تیار ہوں۔

عین اسی وقت بے نظیر صاحبہ کھل کر میدان میں آگئیں اور انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون میں ایک مضمون میں صاف اعلان کیا کہ میری سابقہ کشمیر پالیسی غلط تھی۔ وہ محض فوجی دباؤ میں اختیار کی گئی تھی۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور کشمیر کے مسئلے کو پس پشت ڈالنے اور تجارت' ثقافت اور نام نہاد اعتماد پیدا کرنے والے اقدامات کی اولیت کا عہد کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لائن آف کنٹرول کو کھول دیا جائے' آمدورفت شروع ہو جائے اور اس طرح خالص بھارتی اور امریکی لائن پر کشمیر کے مسئلے کا قصہ ختم کر دیا جائے۔ بے نظیر نے یہ مضمون لکھ کر اپنے کو پیش کیا کہ نواز شریف کے مقابلے میں مجھے تائید فراہم کی جائے تاکہ میں اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکوں۔

اس کے ساتھ بھارت نے کارگل کے میدان میں اپنی پوری قوت جھونک دی۔ ۳۰ ہزار جوانوں اور افسروں پر مشتمل تازہ دم فوج کشمیر میں اتار دی' ہوائی قوت کو متحرک کیا' بھاری توپوں' خصوصیت سے بوفور توپوں کو حرکت میں لایا گیا اور ملک بھر میں جنگی جنوں کی فضا پیدا کی۔ یہ بھارت کی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ ٹی وی پر فوج کی ایک ایک نقل و حرکت کو پیش کیا گیا' جذباتی فضا پیدا کرنے کے لیے جوانوں کی لاشوں کی نمائش کی گئی' جنگی فنڈ قائم کیے گئے' ریڈیو اور ٹی وی پر لام بندی کی فضا پیدا کی گئی اور عین اس ڈرامے کے بیچوں بیچ بھارتی وزیراعظم نے صدر کلنٹن کو ۱۵ جون کو جنیوا میں اپنے خصوصی نمائندے کے ذریعے خط بھیجا کہ ہم لائن آف کنٹرول پار کرنے اور پاکستانی افواج پر بھرپور حملہ کرنے والے ہیں۔ کلنٹن نے اس خط کی روشنی میں جی-۸ کے اجلاس میں بھارت کے منصوبے کو ایک حقیقی امکان کے طور پر پیش کیا اور دوسری طرف جنرل اینتھونی زینی کو اسلام آباد بھیجا اور پاکستان کو ڈرانے دھمکانے میں کوئی کسر

نہیں چھوڑی۔ یہ وہ لمحہ ہے جب نواز شریف صاحب کے اعصاب جواب دے گئے اور انھوں نے امن اور دوستی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیے۔

یہاں نواز شریف صاحب کے ذہن کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ وہ شروع ہی سے double minded اور confused رہے ہیں۔ گہرائی میں جا کر تمام پہلوؤں کے تجزیوں کی روشنی میں معروف انداز میں رائے قائم کرنا ان کا طریقہ نہیں۔ اگر کشمیر میں کوئی اقدام کر کے ان کو سیاسی فائدہ ہو سکتا ہے تو وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اگر ان کو خطرات کا ہوا دکھا کر جان بچانے کی راہ دکھائی جائے تو وہ اس کے لیے دوڑ پڑیں گے۔ بھارت سے دوستی اور کشمیر کے سلسلے میں کوئی مختصر راستہ (short cut) ایک عرصے سے ان کا خبط (obsession) ہے۔ اپنی پہلی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں تہران کے سفر کے دوران انھوں نے تیسرے حل (third option) کی بات کی تھی اور جب سخت گرفت ہوئی تو مکر گئے حالانکہ یہ ثابت ہے کہ انھوں نے یہ بات کہی تھی۔ اپنے اقتدار کے اس دور میں وہ بار بار کسی نئے حل کی بات کر رہے ہیں۔ کبھی لچک (flexibility) کی بات ہوتی ہے، کبھی اقوام متحدہ سے باہر راستہ نکالنے کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے۔ کبھی ایک سال میں کشمیر کے قضیہ کو دفن کرنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ سب ان کی ژولیدہ فکری کے مظاہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے اہم مسائل میں ان کا ردعمل سرسری اور impulsive ہوتا ہے اور متضاد رویے اختیار کرنے میں ان کو تکلف نہیں ہوتا۔ اس کا احساس ان تمام افراد کو ہے جن کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔

اس موقع پر بھی صاف نظر آتا ہے کہ ایک طرف بھارت سے دوستی اور دوسری طرف کشمیر میں دباؤ دونوں کو انھوں نے اشیرباد دی اور کسی معاملے کے بھی تمام منطقی تقاضوں کو گہری فکر کے ساتھ سامنے نہ رکھا۔ کارگل پر مجاہدین کے قبضے کو اپنے اقتدار کے لیے تاج بنانے کی کوشش کی اور پہلی بار لائن آف کنٹرول پر جا کر شاباشی دی اور جب امریکہ نے وارننگ دی تو بوکھلا کر سیکنڈ ٹریک اور تھرڈ ٹریک سفارت کاری کی ناؤ چلانا شروع کر دی۔ نائیک صاحب ایک بار نہیں تین بار بھارت گئے اور بھارت اور امریکہ نے اندازہ کر لیا کہ نواز شریف صاحب کو بہ آسانی مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ بھارت کی سفارتی اور عالمی پروپیگنڈے کی مہم پہلے دن سے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کام کر رہی ہے جبکہ پاکستان کے سفارت کار سو رہے تھے اور میڈیا کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کا کوئی احساس نہیں تھا بلکہ اس نے تو قوم کو بیدار کرنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں کیا۔

عوام کو کسی مرحلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ پارلیمنٹ میں کوئی بحث نہیں ہوئی۔ کابینہ تک سے کوئی

مشورہ نہ ہوا۔ بجٹ کے لیے کابینہ کی نشست ۵۴ دن کے بعد ہوئی ہے۔ ان دو مہینوں میں جو قوم کے لیے فیصلہ کن تھے ایک بار بھی کابینہ کا اجلاس نہیں ہوا۔ پارلیمنٹ میں گذشتہ ڈھائی سال میں وزیراعظم صاحب صرف ۱۸ منٹ بولے ہیں۔ فیصلے کرنے سے پہلے اور حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کے لیے نہ کوئی موثر سیاسی فورم ہے اور نہ ماہرین سے مشورے کا کوئی نظام۔ وزیراعظم صاحب کے چند خودپسند مشیر ہیں اور سارا نظام ایک شاہانہ انداز سے چلایا جاتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر امریکہ اور بھارت نے چوتھی جنگ' جو نیوکلیر جنگ بھی ہو سکتی ہے' کا ہوا دکھایا اور ایسی فضا قائم کی کہ وزیراعظم صاحب سجدہ سہو کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سیاست ہو یا جنگ' اس میں ہمت اور حوصلے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر قیادت حوصلہ ہار جائے تو پھر کوئی بڑا اقدام نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت اور امریکہ نے جنگ کے خوف کی جو فضا بنائی اس نے وزیراعظم صاحب کے اعصاب کو مضمحل کر دیا جو امریکہ کے سفر' کلنٹن کی خوشامد اور کارگل سے پسپائی پر منتج ہوا۔

پسپائی کی اس حکمت عملی کی چار بنیادیں ہیں اور چاروں بودی اور غیر حقیقی۔

اول: بھارت جنگ کرنے والا ہے اور یہ چوتھی پاک بھارت جنگ بڑی ہولناک بلکہ ایٹمی جنگ بھی ہو سکتی ہے۔

دوم: پاکستانی فوج روایتی جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت سے بہت پیچھے ہے' خصوصیت سے فضائی طاقت اور بحری طاقت۔ نیز جنگ کا اسلحہ اور فالتو پرزے بھی دو تین ہفتوں سے زیادہ موجود نہیں جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پاکستان کے خلاف پلٹ سکتا ہے۔

سوم: جنگ سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ مسائل صرف مذاکرات سے حل ہو سکتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح مذاکرات کا دروازہ کھولا جائے۔

چہارم: امریکہ کو کسی نہ کسی طرح کشمیر کے معاملے میں involve کرا لیا جائے اور اس طرح جنگ ہی سے نہیں' کشمیر کے مسئلے سے بھی جان چھڑائی جا سکتی ہے۔

ہماری نگاہ میں یہ چاروں باتیں بے بنیاد اور گمراہ کن ہیں۔ بھارت کے لیے کسی صورت میں بھی پاکستان پر حملہ ممکن نہ تھا' اس کی فوج کا نصف کشمیر میں پھنسا ہوا تھا اور جموں و کشمیر میں اب وہ حالت نہیں جو ۱۹۶۵ میں تھی۔ اب پوری ریاست میں بھارت کے خلاف تحریک سرگرم ہے اور جگہ جگہ اسے بغاوت سے سابقہ ہے جو جنگ کی صورت میں مزید بڑھ جاتی اور عام بغاوت (mass uprising) کی شکل اختیار کر لیتی۔ نیز بھارت آسام میں اور خود پنجاب میں مقامی بغاوتوں سے الجھا ہوا ہے۔ اس کی فوج ہرگز اس

پوزیشن میں نہ تھی کہ کئی محاذوں پر لڑ سکے۔ کارگل کے محاذ پر اسے مسلسل ہزیمت کا سامنا تھا اور خود بھارتی اخبارات اور رسائل اور عالمی میڈیا کی شہادت موجود ہے کہ کارگل' دراس' بٹالک اور مشکو سیکٹرز میں ڈیڑھ سو کے قریب چوٹیاں ہیں جن میں سے ۳۱ چوٹیاں اسٹرے ٹیجک اہمیت کی حامل ہیں' بھارت ۲ مہینے کی سرتوڑ کوشش کے باوجود ۴ جولائی سے پہلے ان میں سے ۱۰ فی صد پر بہ مشکل قبضہ کر سکا تھا۔ چند چوٹیاں ایسی بھی تھیں جن پر مجاہدین نے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔

بھارت کی بیشتر فوجی مشینری روس سے حاصل کردہ تھی جو اب ازکار رفتہ (out-dated) ہو رہی ہے اور بھارت کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پاکستان کے مقابلے میں موثر نہیں ہو سکے گی۔ اگر گہرائی میں جا کر بھارت کی سیاسی قوتوں کی سوچ کا جائزہ لیا جائے تو چند عناصر کو چھوڑ کر سب کا اتفاق تھا کہ لڑائی خواہ کتنی طویل ہو جائے' لائن آف کنٹرول کے پیچھے جا کر حملے سے گریز کیا جائے۔ عالمی رائے کا رخ بھی اسی سمت تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ایک حقیقی سد جارحیت (deterrant) تھی۔ ان سب کی موجودگی میں پاکستان پر بھارت کے حملے کا امکان نہ تھا۔ وہ صرف گیدڑ بھبکیوں سے کام لے رہا تھا اور امریکہ نے اس کی آواز میں اپنی آواز ملا کر پاکستان کی قیادت کو خائف کرنے اور حواس باختہ کرنے کی فضا بنائی اور ہمارے ان سیاسی سورماؤں کا یہ حال ہوا کہ:

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

غالب نے صحیح ہی کہا تھا کہ:

دھمکی میں مر گیا' جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

دوسری بنیاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ہماری اطلاع کے مطابق فوجی قیادت نے اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ اب ۱۹۶۵ والی بات نہیں ہے۔ ہم پر اگر حملہ ہوا تو اس کا بھرپور جواب دینے کی پوزیشن میں ہیں اور جنگ کو کئی ہفتے کسی تعطل کے بغیر جاری رکھ سکتے ہیں۔ چین نے بھی کم از کم اسلحہ اور فالتو پرزوں کے بارے میں یقین دلایا تھا کہ وہ پورا ساتھ دے گا۔ اس کے باوجود جنرل زینی کی بات کو اہمیت دی گئی اور ایک تاریخی کامیابی کو اپنے ہی ہاتھوں شکست میں بدل دیا گیا۔

رہا معاملہ مذاکرات کا' کوئی بھی ان کا مخالف نہیں ہے لیکن مذاکرات حقیقی اور نتیجہ خیز ہونے چاہییں اور بھارت اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ اس کی ایک پوری تاریخ ہے۔ لیاقت نہرو مذاکرات کے وقت بھی جب لیاقت علی خاں نے صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ ایک متعین ٹائم ٹیبل کے بغیر بات چیت فضول ہے اور اگر اس متعین وقت میں معاملات طے نہ ہوں تو پھر ثالثی کا طریقہ اختیار کیا جائے تو بھارت مذاکرات کے

میدان سے بھاگ گیا۔ ۱۹۶۲ میں جب بھارت چین جنگ ہوئی ہے اور پاکستان کے لیے کشمیر پر قبضہ کرنے کا نادر موقع تھا تو امریکہ اور برطانیہ کی یقین دہانیوں پر اعتبار کر کے ایوب خاں نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ پھر سورن سنگھ بھٹو مذاکرات شروع ہوئے جو قطعاً لاحاصل رہے اور حال ہی میں جو دستاویزات اس سلسلے میں شائع ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پاکستان نے ایک متعین ٹائم ٹیبل پر اصرار کیا تو بھارت مذاکرات سے پیچھے ہٹ گیا۔

اس وقت تو معاملہ اور بھی نازک ہے۔ اعلان واشنگٹن کے بعد' بھارت ہی نہیں' امریکہ بھی یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ پاکستان کشمیر میں جہادی تحریک سے دست کش ہو جائے' اس کے بغیر بات چیت شروع بھی نہیں ہو سکے گی۔ بھارت کے وزیراعظم اور وزیر خارجہ دونوں نے پانچ دنوں میں دو دو بار صاف اعلان کیا ہے کہ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پورے کشمیر میں "تخریب کاری" پاکستان کے ایما پر ہو رہی ہے۔ صرف لائن آف کنٹرول کا احترام نہیں بلکہ جب تک پوری جہادی تحریک کو ختم نہیں کیا جاتا مذاکرات ممکن نہیں۔ اے ایف پی نے ۲۱ جولائی کو دہلی سے صاف الفاظ میں یہ رپورٹ دی ہے کہ:

> جب تک متنازعہ علاقے میں مسلم بغاوت کے لیے پاکستان کی حمایت جاری رہتی ہے' بھارت اور پاکستان کے درمیان مذاکرات کی کوئی امید نہیں ہے۔ بھارت نے مذاکرات کے آغاز کے لیے تین شرائط عائد کی ہیں: ۱۔ بھارتی کشمیر سے پاکستان کی حمایت یافتہ فورسز کا مکمل انخلا ۲۔ کشمیر کی متنازع سرحد کے تقدس کا ایک دفعہ پھر اقرار ۳۔ سرحد پار سے دہشت گردی کروانے کا خاتمہ۔

بھارتی قیادت نے اعتماد کی بحالی اور پاکستانی قیادت کے ہر قدم اور دعوئ کی جانچ پڑتال کی شرط بھی عائد کر دی ہے۔ امریکہ کی وزیر خارجہ نے بھی جو سنگاپور میں بھارتی وزیر خارجہ سے ملنے والی ہیں' صاف الفاظ میں کہا ہے کہ پورے کشمیر میں تخریب کاری کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ آل برائٹ کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

> تخریب کاری کی کارروائیوں کو فی الفور ختم ہو جانا چاہیے اس لیے کہ اس طرح کی کارروائیاں کشمیر کے تنازع کے حل کو کم نہیں' زیادہ مشکل بنا دیتی ہیں۔ ہم شہریوں کے خلاف کارروائیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ جو یہ کارروائیاں کرتے ہیں' ان کی بھی' اور جو ان کو امداد فراہم کرتے ہیں' ان کی بھی
>
> (اے ایف پی' ۲۰ جولائی ۱۹۹۹ دی نیوز انٹرنیشنل' لندن' ۲۱ جولائی ۱۹۹۹)

کلنٹن اور واجپائی کی ٹیلی فون کی گفتگو میں بھی یہی موضوع رہا ہے اور بین الاقوامی تجزیہ نگار برملا کہہ رہے ہیں کہ حقیقی مذاکرات کا دور دور کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال کو بھارت کے انتخابات نے اور بھی مخدوش بنا دیا ہے۔ بی جے پی اپنی بظاہر عسکری اور سیاسی فتح سے الیکشن میں فائدہ اٹھانا چاہتی

ہے۔ اگر وہ جیت جاتی ہے اور اسے واضح اکثریت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اور بھی سخت رویہ اختیار کرے گی۔ اگر کمزور مخلوط حکومت بنتی ہے تو اس کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اگر کانگریس آجاتی ہے تو اس سے کسی معنی خیز مذاکرات کی توقع نہیں۔ ان حالات میں مذاکرات کے ذریعے حل اور جنگ سے فرار ایک ایسا راستہ ہے جس کی عقل، تاریخ اور حقائق تائید کرنے سے قاصر ہیں۔ مذاکرات وہی کامیاب ہوتے ہیں جو طاقت کے مقام سے ہوں۔ کمزوری کے مقام سے کیے گئے مذاکرات کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ صرف شکست کو دوام بخشنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور پاکستان کی موجودہ قیادت نے اپنے کو ایک واضح شاہراہ سے ہٹا کر ایک ایسی دلدل میں پھنسا لیا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔

چوتھی بات امریکہ پر بھروسے کی ہے۔ ہمیں اس بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں۔ امریکہ نے گذشتہ ۴۵ سال کی "دوستی" کے دور میں کبھی پاکستان کے حقیقی مفاد سے وفاداری کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ خواہ ۱۹۶۲ ہو یا ۱۹۶۵ یا ۱۹۷۱، ہر موقع پر امریکہ نے دھوکا دیا ہے۔ افغانستان کے جہاد کے دور میں جو گراں قدر خدمات پاکستان نے انجام دیں ان کا صلہ اس صدر بش نے معاشی پابندیاں لگا کر دیا جو جنرل ضیا الحق کے بڑے دوست تھے اور جن کے ساتھ جنرل صاحب کے ذاتی مراسم تھے۔ امریکہ کو آنکھیں بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ یہ اس کا تاریخی ریکارڈ ہے۔ اگر کسی کو کچھ بھی شبہ ہو تو کسنجر کی تازہ یادداشتوں کا مطالعہ کر لیں۔ اس میں کسنجر نے کمبوڈیا کے سابق وزیراعظم سرک ماٹک (Sirik Matek) کا خط نقل کیا ہے جو اس نے امریکہ کے سفیر کو لکھا تھا اور جس کو پڑھ کر ان سب کو عبرت ہونی چاہیے جو امریکہ دوستی پر بھروسا کرتے اور اپنے ملک کی قسمت اور اپنے اساسی مسائل کو امریکہ کے ہاتھوں حل کروانا چاہتے ہیں۔ اس نے اس خط میں اسے زندہ بچانے کی امریکی پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے، اپنے ہی ملک میں مرنے کو ترجیح دی تھی اور لکھا تھا کہ اسے یہ امید نہیں تھی کہ امریکہ آزادی پسند کرنے والی قوم کو اس طرح چھوڑ جائے گا! "میں نے تم پر اعتبار کرنے کی غلطی کی" (بحوالہ ماہنامہ کمنٹری، مئی ۱۹۹۱، ص ۵۶)۔

اس خط کے لکھنے کے بعد سرک ماٹک کا انجام بھی وہی ہوا جو کمبوڈیا اور ویت نام کا ہوا--- اسے کھمیروج نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور امریکہ کی دوستی ہمیشہ کے لیے نشان عبرت بن گئی!

یہ ہے امریکہ پر انحصار کا انجام۔ لیکن نواز شریف صاحب اور ان کے مشیر بغلیں بجا رہے ہیں کہ کلنٹن کا وعدہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور یہ کہ کلنٹن صاحب نے کشمیر کے سلسلے میں "ذاتی دلچسپی" کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے وزیر اطلاعات فخر سے بیان دے رہے ہیں کہ کلنٹن نے نواز شریف سے ۳ گھنٹے بات چیت کی جو غالباً ان کی نگاہ میں تیسری دنیا کے ایک آدمی کے لیے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا حاصل کیا اور کیا کھو آئے؟ اس کا کچھ خیال نہیں، دلچسپی اس میں تھی کہ کلنٹن صاحب کے ساتھ فوٹو کھنچ جائے۔ اگر ۴

جولائی کو یہ فوٹو نہ کھینچ سکا تو خاص درخواست کر کے اگلے دن فوٹو سیشن کا اہتمام کرایا گیا۔ یہ سارا معاملہ کس سطح پر گر کر کیا گیا' اس کا اندازہ اس رپورٹ سے کیجیے جو ڈان کے نمایندہ واشنگٹن شاہین صہبائی نے بھیجی ہے اور ڈان کراچی کے ۱۳ جولائی کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔

بات صرف امریکہ کی دوستی پر عدم اعتماد ہی کی نہیں' ہمیں خطرہ ہے کہ یہ دوستی اور "ذاتی دلچسپی" کہیں کچھ اور رنگ نہ دکھلائے۔ اس سلسلے میں شائع ہونے والے تمام اہم تجزیوں کے مطالعے کے بعد ہمیں خطرہ ہے امریکہ اول تو بھارت پر کوئی خاص دباؤ نہیں ڈالے گا اور اگر ڈالے گا تو خود اپنے مفادات اور منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے ڈالے گا تاکہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط ہو جائیں اور ایٹمی صلاحیت کی تنسیخ یا تحدید ہو جائے اور کشمیر کا کوئی ایسا "حل" قبول کروا لیا جائے جس کے نتیجے میں پاکستان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے' کشمیر ہمیشہ منقسم رہے اور خود امریکہ کو اس کے کسی حصہ پر قدم جمانے کا موقع مل جائے۔ اس وقت جن دو تجویزوں پر زور شور سے کام ہو رہا ہے وہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنا کر کشمیر کی تقسیم یا کوئی ایسا نظام جس میں کچھ علاقہ پاکستان کے پاس رہے' کچھ بھارت کے پاس' باقی علاقے کو نیم خود مختاری دے دی جائے اور اس بندر بانٹ میں خود امریکہ یا اقوام متحدہ کے پردے میں امریکہ کے لیے کوئی مستقل رول پیدا کر لیا جائے۔ اس بات کا خطرہ ہے اعلان واشنگٹن پر خوشیاں منانے والے اور سابقہ کشمیر پالیسی پر ندامت کا اظہار کرنے والی محترمہ دونوں ہی کسی ایسے کھیل کے لیے آلہ کار بن جائیں۔ یہ ہے اعلان واشنگٹن کا اگلا قدم---- اور قوم کو آج ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ شاہین صہبائی نے اپنی ۱۳ جولائی کی واشنگٹن سے رپورٹ میں امریکہ کے پالیسی بنانے والوں کا عندیہ صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے اور اسی کی بازگشت بیشتر امریکی' برطانوی' یورپی اور خود بھارتی اخبارات اور رسائل میں سنائی دے رہی ہے کہ:

> اب کوئی نئے کارگل واقع نہیں ہو سکتے۔ یہ معاہدہ واشنگٹن کے طویل مدت مضمرات ہیں۔ یورپ اور چین سمیت سب نے کنٹرول لائن کو تقریباً بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا ہے۔ اگر برعظیم میں کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل نافذ کیا گیا تو پاکستان کو اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

بھارتی رسالہ Indian Today بھی اپنے انداز میں یہی بات کہتا ہے:

> اگر حکومت اسی راستے پر چلتی رہے' تو کارگل کا واقعہ اس ملک کی اعلیٰ ترین غلطی (crowning blunder) ثابت ہو سکتا ہے۔ بھارت کا سوچا سمجھا ردعمل' اور کنٹرول لائن کے تقدس کی بین الاقوامی حمایت' کشمیر میں بھارت کی پچاس سالہ حکمت عملی کو تقویت دینے کا باعث ہو گا یعنی کنٹرول

لائن کو مستقل سرحد تسلیم کر کے ریاست کی رسمی تقسیم۔

میاں نواز شریف اور ان کی حکومت کو اس شرمناک ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنا ہو گی اور اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ بے نظیر بھٹو نے بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر ثابت کر دیا ہے کہ پی پی پی کے پاس بھی کوئی واضح کشمیر پالیسی نہیں اور وہ بھی صرف امریکی ایجنڈے ہی کو آگے بڑھانے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

فیصلہ اب قوم کو کرنا ہے۔ پاکستان اور کشمیر دو الگ الگ وجود نہیں۔ جو حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ کشمیر کی خاطر پاکستان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا' وہ پاکستان کے اصل تصور سے یا نابلد ہیں یا غداری کر رہے ہیں۔ قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا اور اگر یہ شہ رگ کٹ جاتی ہے تو پھر پاکستان کا وجود کہاں رہے گا۔ کل اگر خدانخواستہ کوئی اور فتنہ اٹھتا ہے تو یہی لوگ کہیں گے کہ کراچی کی خاطر یا لاہور کی خاطر' یا پشاور کی خاطر' یا کوئٹہ کی خاطر پاکستان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ پاکستان کی قسمت اور اس کا مستقبل کشمیر سے وابستہ ہے اور اگر خدانخواستہ کسی سازش سے کشمیر پاکستان سے جدا ہو جاتا ہے تو یہ نظریہ پاکستان ہی پر ضرب نہ ہو گی بلکہ باقی پاکستان کے لیے بھی زندہ رہنا اور ترقی کرنا ممکن نہ ہو گا۔ یہ نظریاتی ہی نہیں زمینی حقائق ہیں اور ان سے صرف نظر کرنے سے تباہی ہو گی۔

میاں نواز شریف کی موجودہ حکومت نے اپنے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں اور خصوصیت سے اعلان لاہور' اعلان واشنگٹن اور کارگل سے پسپائی کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور عملاً تحریک جہاد کے سینے میں خنجر گھونپنے کا اقدام کیا ہے۔ اس نے پاکستان کے جوہری سد جارحیت کو بھی غیر موثر بنا دیا ہے اور فوج کی دفاعی صلاحیت اور کردار کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس نے جو پیغام مقبوضہ کشمیر کی تحریک حریت کو دیا ہے' وہ بڑا ہی تباہ کن ہے۔ اس کے نتیجے میں کشمیر کے مسلمانوں کو پاکستان سے مایوسی ہو گی۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ بھارت کی طرف تو راغب نہیں ہوں گے لیکن پاکستان کو جس طرح وہ اپنی منزل قرار دیے ہوئے تھے اب ان کے جذبات ضرور متاثر ہوں گے۔

اس حکومت کی پالیسیوں سے ملک کی معیشت بھی کمزور ہوئی ہے اور بیرونی دنیا پر ہماری محتاجی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ غربت اور بے روزگاری بڑھی ہے اور دولت کی تقسیم مزید غیر مساوی اور غیر منصفانہ ہو گئی ہے۔ امن و امان کی صورت حال بھی پورے ملک میں اور خاص طور پر سندھ اور پنجاب میں سخت مخدوش ہے۔ علاقائی' لسانی اور فرقہ وارانہ منافرتوں میں اضافہ ہوا ہے اور سب سے بڑھ کر ملک کے تمام ہی ادارے مفلوج اور معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ شخصی حکومت اور شخصی وفاداری کی بنیاد پر سیاست کاری نے دستور' قانون' شریعت' روایات سب کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وزیراعظم اپنے کو پاکستان سمجھتے ہیں اور ہر

مرض کا علاج یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ہاتھ مضبوط ہوں اور ان کے اختیارات میں مزید اضافہ ہو۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔ فیصلے کرنے کے لیے کوئی باضابطہ بااختیار ادارہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ یہ وہ سب سے بڑی خرابی ہے جس کی وجہ سے ملک شخصی حکمرانی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ روزنامہ انڈی پینڈنٹ لندن کے نمایندہ پیٹر پوفام نے ۱۸ جولائی ۱۹۹۹ کی پاکستان سے ارسال کردہ اپنی رپورٹ میں اس طرز حکمرانی کی یوں تصویر کشی کی ہے:

ہر سینچر کو' مسٹر شریف لاہور کے لارنس گارڈن میں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ ان کے کھیلنے کا طریقہ یہ ہے: وہ نہ بولنگ کرتے ہیں' نہ فیلڈنگ' وہ صرف بلے بازی کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عام طور پر ۵۰ رن بنا لیتے ہیں۔ باؤلر ان کو ایک کے بعد ایک ہاف والی اور لانگ ہاپ پھینکتے ہیں۔ جب وہ بال کو اچھال دیتے ہیں تو فیلڈر اپنے جوتوں کے تسموں میں الجھ جاتے ہیں' سورج کی روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں یا انھیں حملہ قلب ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی بات کیچ پکڑنے سے بچنے کے لیے! یہ رسم (ritual) ایک ماڈرن اسلامی شہنشاہ کے شایان شان ہے--- اور مسٹر شریف پاکستان میں مطلق العنان حاکم ہونے کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مگر' گو نظر کا فریب بظاہر مکمل ہے اور بڑی مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے' لگتا ہے کہ سب کچھ کسی لمحہ پادر ہوا ہو جائے گا' بغیر کسی وارننگ کے!

یہ صورت حال ہرگز گوارا نہیں کی جا سکتی۔ یہ صرف جمہوریت ہی کے لیے نہیں' پاکستان کے وجود کے لیے بھی خطرہ ہے۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی ناکام ہو چکے ہیں۔ اب بقا اور سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک کے عوام اٹھیں اور اپنے ملک کو ان حکمرانوں سے بچائیں جن کی دلچسپی یا اسے لوٹنے اور اپنا پیٹ بھرنے میں ہے یا اپنے اقتدار اور عیش و عشرت کی خاطر دوسروں کے ایجنڈے پر عمل کرنے میں ہے۔ وہ جو "پاکستان نژاد" ہونے کا دعویٰ لے کر آئے تھے اتنے ہی کھوٹے ثابت ہوئے جتنے آکسفورڈ اور واشنگٹن سے در آمدہ! ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی قیادت کا آنا ضروری ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ وہ سب عناصر جن کی زندگی اور موت پاکستان سے وابستہ ہے اور جو اس مملکت خداداد کے اصل امین ہیں' گو غافل ہیں' میدان میں اتریں۔

یہ محض کسی ایک گروہ یا جماعت کی ذمہ داری نہیں--- یہ پوری قوم کی اور خصوصیت سے متوسط طبقے کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنا فرض ادا کریں۔ صرف جوش ہی نہیں ہوش سے بھی کام لیں۔ معاملہ محض شخصیات کو ہٹانے کا نہیں بلکہ پاکستان کے اصل مقصد اور عوام کے حقیقی مفاد کی روشنی میں صحیح خطوط پر پالیسی سازی' مناصب' دیانت دار اور باصلاحیت ٹیم کو ذمہ داری کے مناسب پر لانے اور پوری قوم

کو مقاصد، اصول اور انصاف کی بنیادوں پر جمع کرنے اور اصل نصب العین کے حصول کے لیے سرگرم عمل کرنے کی ہے۔ جس جذبے اور جس انداز میں تحریک پاکستان نے سب کو ایک اعلیٰ مقصد کے لیے سرگرم کر دیا تھا، آج اسی جذبے اور اسی انداز میں پاکستان کو بچانے اور اس کی قیادت کو مفاد پرستوں کے چنگل سے نکال کر پاکستان کے ایسے خادموں کے ہاتھ میں دینے کی ضرورت ہے جو اس کے لیے اپنی جان، مال اور صلاحیتیں قربان کرنے کا عزم اور داعیہ رکھتے ہوں، جنھیں بیرونی خطرات کا بھی پورا پورا ادراک ہو اور جو آزادی، اسلامی نظریہ اور ملی غیرت و محبت سب کی موثر پاسبانی کر سکیں۔ زمانے کے ساتھ بدلنے والوں کا تجربہ تو قوم نے بہت کر لیا۔ اب ایک ایسی ٹیم کو اوپر لانے کی ضرورت ہے جو زمانے کو بدلنے کا عزم رکھتے ہوں۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ پاکستان میں وہ نفوس آج بھی موجود ہیں جو کشتی کو گرداب سے نکال سکتے ہیں۔ جہاد صرف عسکری معرکے کا نام نہیں، یہ تو اس جدوجہد کا نام ہے جو پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی جائے اور زندگی کے ہر میدان میں کی جائے، اللہ کے فراہم کردہ ہر وسیلہ اور ذریعہ سے کی جائے تاآنکہ اللہ کا کلمہ غالب اور سربلند ہو:

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز

(اس مقالے کے ری پرنٹ دستیاب ہیں، ۲۵۰ روپے سیکڑہ، منشورات، منصورہ، لاہور)

برائیوں کے طوفان کا مقابلہ کیسے؟

خرم مرادؒ

آج کل جب کبھی دین کا نام زبان پر آتا ہے' تو لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بڑا خراب ہے' سب لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' عیش و عشرت کے اندر غرق ہیں۔ اس زمانے میں نیکی کا نام کون لیتا ہے؟

کیا کوئی ایسا نسخہ ہے جو ایسے زمانے میں کہ جب ہر طرف بدی چھائی ہوئی ہو' لوگ دولت کے پجاری بن گئے ہوں' دنیا کے اندر غرق ہوں' ہمیں ایمان کے راستے پر قائم کر سکے؟--- یہ وہ سوال ہے جس کا جواب سورہ کہف کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں دیا گیا ہے۔

یہ "نسخہ" تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک' اللہ کی کتاب کو پڑھنا اور دوسروں کو سنانا' دوسرا' اچھے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا اور ان کی صحبت میں رہنا' تیسرا یہ کہ جو اللہ نے حق دیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ج لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ○ (۱۸: ۲۷)

اور تلاوت کرو اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے۔ اس اللہ کے کلمات کو بدلنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور تم ہرگز کوئی پناہ گاہ نہ پاؤ گے اس کے علاوہ۔

بظاہر خطاب نبیؐ سے ہے لیکن جو خطاب آپؐ سے ہے وہ ہم سب سے بھی ہے۔ اس لیے کہ ہم آپؐ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ چنانچہ پہلی بات یہ بیان کی جا رہی ہے کہ اللہ نے جو کتاب اور ہدایت دی ہے' اس کی تلاوت کرو اور پیروی کرو۔ تلاوت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو پڑھو' آیات میں غور و فکر کرو اور اس پر عمل کرو۔ تلاوت کے معنی یہ بھی ہیں کہ اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ یہ کتاب تو اتری ہی اس لیے ہے کہ اسے دوسروں کو سنایا جائے۔ نبی کریمؐ پر جو بھی آیات نازل ہوتی تھیں' آپؐ ان کو دوسروں کو سنایا کرتے تھے۔

درحقیقت قرآن مجید ایک پناہ گاہ ہے' اسی لیے فرمایا گیا کہ اس کتاب کو اپنی پناہ گاہ بنالو۔ یہ کتاب ایسی چیز ہے کہ زمانہ اچھا ہو یا برا' یا ایسا زمانہ جب لوگ گدھے اور اونٹ پر سوار ہوتے تھے' یا وہ زمانہ جب

لوگ جیٹ میں سوار ہوتے ہوں، خواہ کوئی بھی زمانہ ہو، یہ کتاب جو کہ ایک حقیقت ہے، اس میں جو راستہ بتایا گیا ہے، اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ تلاوت کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کے احکامات نہ ہم اپنے حق میں تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے حق میں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ چونکہ یہ احکامات مشکل ہیں، ان پر عمل کرنا مشکل ہے، اس لیے انھیں تبدیل کر لیا جائے اور کچھ آسانی پیدا کر لی جائے۔ اسی طرح اگر کچھ احکامات دوسروں کے لیے مشکل ہیں، یا قبول اسلام اور اشاعت اسلام میں رکاوٹ کا باعث ہیں، تو انھیں نہ بیان کیا جائے یا ترک کر دیا جائے، اس کی بھی اجازت نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ "اے نبیؐ، تمھارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنا دو، کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں رد و بدل کرو گے تو) اس سے بچ کر بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے" (۱۸: ۲۷)۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ موجودہ دور میں، جسے ہم خراب کہتے ہیں، کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہو۔ ہمارے لیے اگر کوئی پناہ گاہ ہے تو وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں ہمارے امراض کے لیے شفا ہے، اس میں روشنی ہے، اسی سے ہمارے اندھیرے دور ہوں گے۔ اس کتاب میں نصیحتیں ہیں جس سے دل نرم ہوں گے۔ اس کتاب میں وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ گویا یہ ایک طرح کی آغوش ہے جس میں بچہ جا کر پناہ لے لیتا ہے۔ اسی کتاب سے سب کچھ ملے گا، روح کے لیے، دل کے لیے اور زندگی کے لیے۔ اسی لیے فرمایا: وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○ (۱۸: ۲۷) تم ہرگز نہیں پاؤ گے اس کے علاوہ کوئی اور آغوش تاکہ تمھیں پناہ مل جائے۔

یہ پہلا حصہ ہے نسخہ شفا کا جس سے اس قسم کے زمانے میں ہم اللہ کے دین پر قائم ہو سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج (۱۸: ۲۸) اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟

وَاصْبِرْ کے معنی ہیں صبر کرو، یعنی اپنے آپ کو باندھو اور روک لو۔ گویا دنیا میں اگر ایسے لوگ پائے جاتے ہوں جو صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نفع نقصان کا مالک اللہ ہے، جو کچھ مانگنا چاہیے اسی سے مانگنا چاہیے، حکم اسی کا چلتا ہے، اسی کو انھوں نے اپنا رب بنایا ہے، تو ایسے لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرو۔ ان سے محبت کرو۔ ان کو اپنا بھائی بناؤ اور اگر کوئی چیز ناگوار یا تلخ ہو تو اس پر صبر کرو۔ "ان کے ساتھ باندھ کر رکھو" یا ہرگز نگاہ نہ پھیرو کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں تم بھی

اگر ان کی صحبت میں رہو گے' ان کے ساتھ جڑے رہو گے' تو صحبت کی وجہ سے تم بھی اللہ کو یاد کرو گے۔ اسی لیے تاکید کی گئی ہے کہ وہ لوگ جن کا مقصد اللہ کی رضا ہے اور جن کا طریقہ اللہ کی یاد ہے' ان کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لو۔ اس طرح نیک لوگوں سے تعلق رکھنے' جڑنے اور ان سے وابستہ رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور ایک بہتر ماحول کی طرف رہنمائی دی گئی ہے جس کی وجہ سے گئے گزرے حالات اور برے دور کے باوجود انسان کے لیے نیکی کی راہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ جب دنیا تمھارے سامنے آئے تو اس کی کشش سے تمھاری نگاہ ہٹ کر دنیا اور دنیا والوں کی طرف چلی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں آدمی کی نگاہ جاتی ہے وہیں اس کا دل جاتا ہے۔ لہٰذا اپنے دل کو جمائے رکھو اور دنیا کے ساتھ نہ لگاؤ اور دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ جن کا کہنا نہ مانو' جن کے پیچھے نہ چلو' جن کے ساتھ تعلق قائم نہ کرو' جن کو رشک بھری نگاہوں سے نہ دیکھو کہ ہم ان جیسے ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تین صفات بیان کیں۔ فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (۱۸: ۲۸) کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو' جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

یعنی اس شخص کا کہنا مت مانو' اس کے پیچھے مت جاؤ' اس کی بات پر دھیان مت دو' جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ اس کے دل میں اللہ کا خیال ہی نہیں آتا۔ ایسے لوگ کوئی بھی کام کر رہے ہوں' کچھ بھی کما رہے ہوں' کیسی ہی زندگی بسر کر رہے ہوں' بھول کر بھی نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ہم سے کچھ چاہتا ہے۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ زبان پر اللہ کا نام ہو۔ اگر دل میں اللہ کا خیال نہ آئے تو یہ بھی دل کا اللہ سے غافل ہونا ہے۔ اس لیے پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا وہ پھر اپنی خواہشات کے پیچھے جائے گا اور نفس کا بندہ بن جائے گا۔ چنانچہ دوسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ اس آدمی کا کہنا بھی مت مانو جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا ہو۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف اپنی خواہشات کا حصول اور تسکین بن گیا ہو۔ تیسری بات یہ بتائی ہے کہ اللہ سے غافل شخص دنیا کے جو بھی کام کرتا ہے' جتنا بھی سوچتا ہے' جن راہوں پر چلتا ہے' جس فکر کا وہ حامل ہوتا ہے' اس کے نتیجے میں جن خطوط پر معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے اور جو نظام پروان چڑھتا ہے' وہ سب خدا کی حدود سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان تین صفات کے حامل افراد یا معاشرے اور نظام سے تمھارا تعلق نہیں ہونا چاہیے بلکہ تمھیں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے' بندھا ہونا چاہیے جن کا مقصود اللہ کی رضا ہو اور جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸:۲۹) صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے' اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

یعنی حق تو وہی ہو سکتا ہے جو رب نے دیا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ اس پر ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ اس حق کو پیش کرو اور لوگوں سے کہہ دو کہ حق کو تسلیم کریں۔ پھر اس بات کی پرواہ مت کرو کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ یہ کام تو کرنا ہی ہے' خواہ لوگ اس کو مانیں یا نہ مانیں۔ ماننا نہ ماننا' ہر آدمی کا اپنا کام ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے ہر ایک کو اختیار دیا ہے' آزادی دی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ دنیا میں یہی انسان کا امتحان ہے۔ چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ لوگ مانتے ہیں یا نہیں مانتے' اپنا کام کرتے چلے جایئے۔ لوگوں کا قبول کرنا یا رد کرنا' ان کی اپنی کامیابی یا ناکامی ہے۔ آپ اس کے مکلف نہیں ہیں۔ اس طرح سے مایوسی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ایک نیا ولولہ اور جذبہ ملتا ہے جو اطمینان اور سکینت کا باعث ہوتا ہے۔

ایمان لانے والے کے لیے اجر اور ایمان نہ لانے والے کے لیے سزا کے متعلق فرمایا:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (۱۸:۲۹) ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انھیں گھیرے میں لی چکی ہیں۔ وہاں اگر وہ پانی مانگیں گے تو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہو گا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا' بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ!

یہ آگ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جنھوں نے ناشکری اور کفر کے ذریعے ظلم کا راستہ اختیار کیا۔ یہ آگ ایسی ہے کہ اس کی لپیٹیں ابھی سے ان کو گھیرے میں لے رہی ہیں اور وہاں ایسا مقام ہو گا جہاں یہ پانی مانگیں گے تو ان کو جو پانی دیا جائے گا' وہ تانبے کی طرح کھولتا ہوا پانی ہو گا جو ان کے منہ کو بھون ڈالے گا۔ اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے! کیسا عذاب ہے ان کے لیے۔ اور وہ عذاب وہیں نہیں ملے گا بلکہ جہاں بھی جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں' ان کی زندگی میں بے اطمینانی کی' بے چینی کی' بے سکونی کی اور بربادی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہاں بھی دنیا ہی سے وہ آگ کے گھیرے میں آنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں جا کر بھی آگ کے گھیرے میں آ جاتے ہیں۔ یہاں پر تو ہر خواہش پوری کرتے ہیں لیکن وہاں پر تو جو خواہش کریں گے' سخت گرمی میں پانی مانگیں گے' تو وہ خواہش بھی پوری نہیں ہو گی بلکہ اس کا الٹ ملے

گا۔ یعنی کھولتا ہوا پانی' کھولتا ہوا تانبا' وہ جو منہ کو جھلسا دے گا۔ کتنی بری پینے کی چیزیں ہیں' کتنا برا ٹھکانہ ہے یہ! للذا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس کو اپنا مسکن نہ بنائیں۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کریں گے ان کے لیے اللہ نے کیا اجر تیار کر رکھا ہے' فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ○ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَآئِكِ ط نِعْمَ الثَّوَابُ ط وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ○ (۱۸: ۳۰-۳۱) رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں' تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ ان کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے' باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے' اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔ بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام!

گویا کفر کے مقابلے میں جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا' ان سے اللہ کا پہلا وعدہ یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کا جس نے نیک عمل کیا ہو' اس کی مزدوری ضائع نہیں جائے گی' اس کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔ یہ بھی ایک بڑا وعدہ ہے۔ دنیا کے لیے آدمی محنت کرتا ہے' رات دن پسینہ بہاتا ہے' جو چیز چاہتا ہے وہ ملتی نہیں ہے' اتنی دنیا کی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ نے فرمایا کہ جو ایمان اور نیک عمل کی راہ پر چلے گا اس کی ہر مزدوری کا پورا پورا معاوضہ اس کو ملے گا۔ وہ معاوضہ کیا ہو گا؟ ان کے لیے ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغات ہوں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں ان کی عزت ہو گی' ان کا اکرام ہو گا' ان کو بادشاہوں کی طرح مسندوں پر بٹھایا جائے گا۔ ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سبز رنگ کے پتلے ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور وہاں وہ تخت کے اوپر بیٹھے ہوں گے۔ وہاں کا لباس کیسا ہو گا؟ کھانا پینا کیسا ہو گا؟ وہاں کے تخت کیسے ہوں گے؟ یہ تو دنیا ہی دوسری ہے۔ نہ میں جانتا ہوں نہ آپ جانتے ہیں۔ نہ میں بیان کر سکتا ہوں نہ آپ۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ سونے کی چیزیں پہنتے ہیں' تخت پر بیٹھتے ہیں' ریشم کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ اگر ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کی تو پھر تم اللہ کے ہاں بادشاہوں کی طرح مقام پاؤ گے۔ یہ بڑا اچھا ثواب ہے' بڑا اچھا بدلہ ہے' بڑا اچھا ٹھکانا ہے جہاں پر تم پہنچ جاؤ گے!

قرآن مجید کی یہ آیات ہمارے لیے بہت قیمتی سبق رکھتی ہیں۔ آج مغربی تہذیب کی یلغار بھی ہے اور ہر طرف دنیا کی پرستش بھی۔ گھروں میں ٹی وی چلتا ہے' انٹینا لگے ہوتے ہیں' گھر بھی محفوظ نہیں اور گھروں میں ایمان بھی محفوظ نہیں۔ ان حالات میں وہ کون سا طریقہ ہے جس سے ایمان محفوظ ہو سکتا ہے؟ وہ کون

سا طریقہ ہے جس سے ہم اللہ کے راستے پر قائم رہ سکتے ہیں اور چل سکتے ہیں؟ ان آیات میں اسی مسئلے کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اگر آپ یہ تین باتیں یاد رکھیں: ایک' اللہ کی کتاب کی تلاوت' دوسرے' اچھے لوگوں کی صحبت' تیسرے' اللہ نے جو پیغام دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچانا' تو ایمان بچایا جا سکتا ہے۔

اللہ کی کتاب کی تلاوت کے معنی ہیں اس کے پیچھے پیچھے رہنا' اس کے ساتھ اپنا وقت لگانا' اس کو سمجھنا' اس کے اوپر عمل کرنا۔ تلاوت کے معنی یہ بھی ہیں کہ سنانا تو اٹل چیز ہے' زمانہ بدل جائے' کوئی ماڈرن زمانہ آجائے' یہ اللہ کی کتاب ویسی کی ویسی رہے گی۔ اس کی ہدایت اسی طرح رہے گی جس طرح کہ پہلے تھی۔ یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنا چاہیے کہ ہم کو آج اس کو سمجھنا ہے۔ یہ ہم کو بتاتی ہے کہ آج ہم زندگی کیسے بسر کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا مقصد دنیا نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا ہو اور جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہوں' ایسے لوگ تلاش کریں۔ ان کے ساتھی بن جائیں' جماعت بنائیں' سوسائٹی بنائیں' تنظیم بنائیں' تاکہ ان کے ساتھ مل کر ان کے ذریعے ہمارے ایمان میں اضافہ ہو۔

تیسری بات یہ کہ اللہ نے جو ہم کو حق دیا ہے اسے ہم دوسروں تک پہنچائیں۔

اس نسخہ شفا کے یہ تین اجزا ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ دنیا میں' فتنے کے زمانے میں' دنیا پرستی کے زمانے میں' ہمیں ایمان کے راستے پر قائم رکھ سکتا ہے' اگر ہم اس پر چلنا چاہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی)

اسلام کا ذوق جمال اور اس کی آبیاری

پروفیسر سید محمد سلیم ○

عقل اور حکمت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے۔ عقل و حکمت سے کام لینے کی بدولت آج وہ عظیم الشان قصر تہذیب و تمدن اور رفیع الشان منارۂ علوم و فنون قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

عقل کی دو بڑی قسمیں ہیں: حسی اور وجدانی۔ "عقل حسی" ایک شے کو لیتی ہے' اس کی تحلیل اور اس کا تجزیہ کرتی ہے' پھر استنباط اور استدلال کے عمل کے ذریعے اس میں پنہاں اصول و ضوابط کا انکشاف کرتی ہے۔ یہ سائنسی طریقۂ کار ہے۔ عقل حسی کا دوسرا طریقۂ کار تالیفی اور امتزاجی ہے۔ انسانی ذہن جدا جدا اجزا پر قناعت نہیں کر سکتا وہ ان کو جوڑ کر ایک تصویر کل بنانا چاہتا ہے۔ عقل کی دوسری قسم وجدانی ہے۔ عقل وجدانی کی نظر عالم مادیت سے بلند ہو کر عالم مثال (ideal) پر ہوتی ہے۔ وہ عقل حسی کے دائرہ کار "کیا ہے؟" اور "کیوں ہے؟" پر قناعت نہیں کرتی بلکہ "کیا ہونا چاہیے؟" پر توجہ مرکوز رکھتی ہے۔ عقل وجدانی کی سرگرمی کے میدان دو ہیں' عالم مثال کی جستجو اور حقیقت کبریٰ سے تقرب۔ عقل وجدانی "حاضر و موجود" سے بڑی جلدی اکتا جاتی اور بیزار ہو جاتی ہے' پھر وہ اس سے بہتر اور اس سے اعلیٰ کی تلاش میں لگ جاتی ہے۔ وجدان میں بہترین کا خواب دیکھتی ہے اور ظاہر میں اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے درپے ہو جاتی ہے۔

انسانی زندگی میں عقل وجدانی کا خاص مقام ہے۔ یہ دراصل وہ قوت محرکہ اور جذبۂ فعال ہے جس نے صدہا سال سے نوع انسانی کو خوب تر کی تلاش میں متحرک اور سرگرم عمل رکھا ہے۔ اسی کی بدولت نوع انسانی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سفر تسلسل کے ساتھ بلاانقطاع جاری رکھے ہوئے ہے۔ بظاہر تو عقل وجدانی کی سرگرمی مادی ماحول سے ماوریٰ یا بیگانہ نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ ایسی بیگانہ بھی نہیں ہے'

○ سابق ڈائریکٹر' ادارہ تعلیمی تحقیق' لاہور

بالآخر اشیاے مفیدہ کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ فنون لطیفہ، فنون مفیدہ کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ کچھ خاص قسم کے افراد کے خواب ہیں جو فنون لطیفہ کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی ابتدائی شکل تو محض نقالی ہوتی ہے، مزید برآں بھونڈی اور بے جان ہوتی ہے۔ مگر ایک مدت ریاض کرنے کے بعد وہ منزل آتی ہے کہ: ع ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو۔ اس وقت وہ فن کا اعلیٰ نمونہ تخلیق کرتا ہے۔ تاج محل کو دیکھیے، تین صدیاں بیت چکی ہیں مگر آج بھی عقل وجدانی فن کار کی عظمت کو نذرانہ عقیدت پیش کرتی ہے جس نے سنگ و خشت میں حسن کی ایسی زندہ تصویر کھینچ دی۔

عقل وجدانی کی کاوش کا دوسرا بڑا مظہریہ ہے کہ وہ حاضر اور موجود پر قناعت نہیں کرتی۔ وہ کائنات رنگ و بو کے پس پردہ وراء الوراء حقیقت کبریٰ سے آشنائی، اس کا تقرب اور الوہیت تک رسائی چاہتی ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کا مختلف زمانوں میں جوگی، سنیاسی، قلندر، راہب، صوفی کی شکل میں ایک طویل قافلہ نظر آتا ہے، جو اس دشوار گزار سنگلاخ زمین کی رہ نوردی کر رہا ہے۔ یہ تو عملی دنیا ہے اور نظری دنیا میں بقول علامہ اقبال: "اعلیٰ ریاضی، اعلیٰ فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کا ہدف آخری حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو اور تقرب ہوتا ہے" (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ)۔

حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو کے دو میدان مذہب اور تصوف، سے تو سب واقف ہیں مگر اس حقیقت سے کم تر لوگ واقف ہیں کہ فنون لطیفہ کا رخ بھی حقیقت کبریٰ کی جانب ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عقل وجدانی نے ماضی کی قوموں میں، حقیقت کبریٰ کی جستجو میں، تعبیر میں اور تشریح میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سیکڑوں قوموں کو گمراہی اور ہلاکت کے غاروں میں دھکیل دیا۔ مذاہب عالم کی داستان دراصل ان لغزشوں اور گمراہیوں کی داستان ہے۔

ایران کے مجوسیوں نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ نور میں دیکھا اور پھر اس کو نار سے تعبیر کیا اور نار کو اس کا مظہر قرار دے دیا۔ سارے ملک میں آتش کدے روشن ہو گئے۔ ساری قوم آتش پرست بن گئی۔ پھر نور کی تفہیم کے لیے ظلمت کا وجود بھی ضروری قرار دیا گیا۔ نور و ظلمت کا تضاد پیش کیا گیا۔ اس سے اہرمن اور یزداں کا بروز ہوا۔ ہندوؤں کے مہارشوں نے صفات حسنہ کا انکار کر کے "ذات بے چون و بے چگوں" پر سارا زور دے دیا۔ عامۃ الناس ایسی ہستی کا تصور کرنے سے قاصر رہے۔ پھر مہارش نیچے گرے اور توجہ مرکوز کرنے کے لیے حسی مجسمہ سازی کی اجازت دے دی۔ یہی بات البیرونی نے پیش کی ہے۔ یہی بیان ابو الفضل کا ہے اور یہی توجیہ ہم عصر ہندو فلسفی پروفیسر رادھا کشن نے پیش کی ہے۔ یہاں سے بت پرستی اور بت سازی کا سیلاب بہہ نکلا جس نے سارے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس لیے عقل وجدانی کی تلاش و جستجو کی اہمیت تسلیم، مگر اس کی تعبیر و تشریح نے ایک خلق کو گمراہ کیا ہے۔

قرآن مجید انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل کردہ آخری کتاب ہے۔ نوع انسانی کی غلط اندیشیوں، کج فکریوں اور گمراہیوں کو یہ آخری کتاب کیسے نظرانداز کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی غلط اندیشیوں کی ایک

ایک کجی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ اور امت محمدیہ ؐ کو گمراہی کے ان گڑھوں سے باخبر کر دیا تاکہ وہ ان سے محفوظ رہے اور ان میں نہ گرے۔ قرآن مجید نے اقوام ماضی کی گمراہیوں کو بیان کیا ہے اور پھر ان پر سخت تنقید فرمائی ہے۔ ان گمراہیوں میں سرفہرست "شرک" ہے جس کی قرآن مجید نے سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○ (الحج ۲۲: ۳۱) اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا' اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

شرک اختیار کرنے کے بعد انسان اشرف المخلوقات کے بلند مرتبے سے نیچے گر جاتا ہے۔ جب وہ شجرو حجر کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی انسانیت کو گم کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سے کم تر مخلوق کا غلام بن جاتا ہے اور بے وقعت ہو جاتا ہے۔ بت پرستی گمراہی کا وہ گڑھا ہے جس میں ماضی کی لاتعداد اقوام گر کر تباہ اور ہلاک ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بت پرستی سے سختی سے منع کرتا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج ۲۲: ۳۰) پس بتوں کی گندگی سے بچو' جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو---- یعنی تخیلات و توہمات کے بت ہوں یا تصورات و نظریات کے' ان سب سے بچو۔ ان کی پرستش کرنا' انسانیت کی تحقیر و تذلیل ہے۔

راہ ضلالت سے متنبہ کرنے کے بعد مثبت طور پر الوہیت کی حقیقت بیان فرمائی کہ تم کسی بھی خیال آرائی اور تصویر سازی سے الوہیت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ وہ وراء الوراء ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (انعام ۶: ۱۰۳) نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے' وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے---- ایک دوسری آیت میں مزید تشریح اس طرح فرمائی ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۱۱) کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہہ نہیں' وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حقیقت کبریٰ اور الوہیت کا تصور قرآن مجید میں کامل تنزیہہ اور کامل تطہیر کا ہے ~

نہ پہنچی وہاں تک خرد کی کمند بہت اونچی ہے اس کی بام بلند

حقیقت کبریٰ سے تقرب حاصل کرنے کی راہ پر قرآن مجید نے مثبت اور منفی دونوں نوعیت کے سنگ میل نصب کر دیے ہیں تاکہ رہرو راہ حقیقت' غلط اندیشیوں' لغزشوں اور گمراہیوں سے بچیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان علما و مفکرین مادی کثافت سے بلند ہو کر حقائق بسیطہ اور تجریدی افکار میں ترقی کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی کا خالق ہے' انسانی فطرت اور مزاج کا شناسا ہے۔ اس کو انسان کی کمزوری کا علم

ہے۔ اس کی طبیعت اور جبلت کا تقاضا حسی وابستگی ہے' جس سے انسان اپنا قلبی تعلق جوڑے۔ اس کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے اس نے حسی دنیا میں دل بستگی کے لیے تین مظاہرات کو اپنی ذات سے نسبت قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا' جن کا وحی اور جبریلؑ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم ہے۔

۲۔ کلام اللہ ' اللہ کا کلام ہے۔ اس کو پڑھنا' اس سے محبت کرنا' اس سے دل بستگی پیدا کرنا درحقیقت اللہ سے محبت اور وابستگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ بیت اللہ ' تعلق باللہ اور تقرب الی اللہ کا مظہر ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اعمال طواف میں شامل ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے کہ: اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰہِ عَلَی الْاَرْضِ' حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے--- جب حاجی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے۔

اس طرح ان تین ذرائع سے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں موجود حسی تشنگی کو رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اسلام نے ایک طرف کامل تنزیہہ کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا۔ تصور الوہیت میں کسی نوع کی مادی کثافت کی آمیزش نہیں ہونے دی اور ساتھ ہی ساتھ تعلق خاطر اور قلبی وابستگی کے لیے ایک دریچہ بھی باقی رکھا کہ خستگان راہ محبت اور تشنگان آب دیدار اس طرح کسی درجے میں سیری اور سیرابی حاصل کریں۔ یہ اہتمام حکمت قرآنی کا اعجاز ہے۔

فنون لطیفہ: فنون لطیفہ "کیا ہونا چاہیے؟" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شمار مثبت علوم (positive sciences) کے بجائے معیاری علوم (normative sciences) میں ہوتا ہے۔ اس لیے فنون لطیفہ میں حقیقت کبریٰ کا تصور جلوہ ریز ہوتا ہے۔ حقیقت کبریٰ کا تصور ہر قوم میں اور ہر تہذیب میں یکساں نہیں ہے۔ اس لیے ہر قوم کے یہاں فنون لطیفہ نے بھی جداگانہ انداز میں فروغ پایا اور ترقی کی ہے۔

مشرک اقوام نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ بت کی صورت میں دیکھا۔ ان کی تمام محبت اور توجہ بت پر مرکوز ہو گئی۔ ان کی اس دلچسپی نے حسن و جمال کو بت میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ ان قوموں میں بت تراشی' مجسمہ سازی' سنگ تراشی' تصویر سازی جیسے مختلف فنون نے فروغ پایا۔ ہندو اپنے بتوں کو بھجن (گانے) سناتے تھے۔ اس جذبے سے فن موسیقی اور نغمہ سرائی نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی۔ یونانیوں اور ہندوؤں کی دیوی دیوتا بھیس بدل بدل کر آتے تھے۔ اس لیے ان قوموں کا سوانگ بھرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ اس چیز سے فن ڈراما نگاری اور فن اداکاری پیدا ہوا۔ مسیحی مذہب میں کنواری مریم سے بچے کی ولادت اور پھر حضرت مسیحؑ کا سولی پر چڑھنا' یہ دو بہت اہم اور عجیب واقعات ہیں۔ ان دو واقعات کی تجسیم کے لیے مسیحی سنگ تراشوں اور

تصویر سازوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ان کے بہترین مصور [اور مجسمہ ساز] ان دو واقعات کی تصویر کشی کرتے رہے ہیں۔ مختلف اقوام کے یہاں ان کے فنون لطیفہ کا تعلق ان کے تصور حقیقت کبریٰ سے بڑا قریبی ہے۔

اسلامی فنون لطیفہ: مسلمانوں کے یہاں حقیقت کبریٰ کا تصور کچھ اور نوعیت کا ہے۔ اس لیے ان کے یہاں کچھ دوسرے انداز کے فنون نے عروج پایا اور فروغ حاصل کیا۔

نعت گوئی: حقیقت کبریٰ کے تین مظاہرات میں سے پہلا مظہر، حب رسولؐ ہے۔ حب رسولؐ سے شاعری کے میدان میں نعت گوئی نے ترقی کی۔ دنیا کی کسی قوم کے اندر نعت گوئی کا انداز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کوئی زبان بلکہ کوئی بولی ایسی نہیں ہے جس میں مسلمان شعرا نے نعت رسولؐ میں دفتر کے دفتر نہ بھر دیے ہوں۔ یہ ذوق اسی جذبے سے آج بھی برقرار ہے۔ ہندو شعرا نے بھی مسلمانوں سے متاثر ہو کر بڑی خوب صورت نعتیں کہی ہیں۔ بعض شعرا ایسے گزرے ہیں اور آج بھی ہیں جو صرف نعت رسولؐ کہتے ہیں۔ محبت رسولؐ کی وجہ سے شاعری کی نئی صنف "نعت" وجود میں آئی اور اس میں عجیب ندرتیں اور انداز اختیار کیے گئے۔

تعمیر مساجد: حقیقت کبریٰ کا دوسرا مظہر، بیت اللہ المکرم، کعبہ شریف، مکہ مکرمہ ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کے لیے یہ قبلہ ہے اور سجدہ گاہ ہے۔ سارے سجدوں کی محراب کا رخ اس کی طرف ہوتا ہے۔ دنیا کے جس شہر اور جس بستی میں مسلمان پہنچے وہاں انھوں نے اپنی مسجدیں تعمیر کیں۔ محبت اور عقیدت کے اعلیٰ نمونے پیش کیے۔ اشبیلیہ کے حکمران معتمد بن عباد نے یہ نادر مثال پیش کی کہ مسجد تعمیر کرتے وقت چونے اور گارے کے ساتھ مشک کے بورے بھی گارے میں ڈلوا دیے تھے۔ مدتوں مسجد کی دیواروں سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

تعمیر مساجد میں مسلمانوں نے فن تعمیر کے نادر نمونے پیش کیے ہیں۔ مسجد قرطبہ (اندلس)، جامع قیروان (فاس)، مسجد سلطان احمد (قسطنطنیہ)، مسجد اصفہان (ایران)، بادشاہی مسجد (لاہور)، مسجد قوت الاسلام (دہلی)، شاہجہانی مسجد (دہلی) اپنے حسن و رعنائی میں نادر روزگار ہیں۔ ان میں ایک عام آدمی کو بھی عظمت، شوکت، جلال اور جمال کا مظہر صاف نظر آتا ہے۔ تعمیر مساجد سے فن تعمیر کو غیر معمولی عظمت حاصل ہو گئی۔

حسن قرائت: حقیقت کبریٰ کا تیسرا مظہر، کلام اللہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت نے کئی رخ اختیار کیے ہیں۔ سب سے اول اور اہم بات تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی کتاب کو حفظ کرتے ہیں۔ آج تک مسلمانوں کا کوئی شہر بلکہ کوئی بستی ایسی نہ ہو گی جو حفاظ قرآن سے خالی رہی ہو۔ دنیا کی تمام اقوام میں یہ شرف صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کے حفاظ ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا ایک خاص انداز ہے۔ یہ موسیقی نہیں ہے بلکہ لحن داؤدیؑ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے ذوق شوق سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے، جس کو سن کر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ان کو اللہ نے حضرت داؤدؑ جیسا لحن اور سوز عطا کیا ہے۔

قرآن مجید کی قرأت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا ہے۔ صوت اور اس کے اظہار میں جدت طرازی اور ابداع سے کام لیا۔ اس کے نتیجے میں آج عالم اسلام میں قرأت کے سات مستند اور تین غیر مستند طریقے رائج ہیں۔ کوئی صاحب کمال قاری جب قرآن مجید کی قرأت کرتا ہے تو اس کو سن کر حقیقت یہ ہے کہ قلب و روح میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے جس کا اظہار الفاظ میں مشکل ہے۔

ادب لطیف: قرآن مجید کی زبان عربی مبین ہے۔ فصاحت و بلاغت میں یکتا ہے۔ حسن بیان اور حسن ترکیب میں بے مثال ہے۔ اس کی آیات حسن صوت اور حسن آہنگ میں نغمہ ریز ہیں۔ حسن معنوی کی اثر آفرینی اور سحر انگیزی لاثانی ہے۔ حفظ قرآن اور تلاوت قرآن کے نتیجے میں مسلمانوں کا ذہن کلام کی معنویت سے متاثر ہوا۔ اس تاثر سے علم و حکمت کے کتنے ہی چشمے پھوٹے۔ کلام الٰہی کی معنویت سے قاری کے ذہن میں ذوق ادب اور ذوق لطیف کی آبیاری ہوئی۔ یہ قرآن کا فیضان ہے کہ مسلمان دنیا کی اقوام میں ادب پروری کے لیے مشہور و ممتاز ہو گئے۔

سب سے اول اور سب سے اعلیٰ نمونۂ کلام تو اس کلام کے لانے والے نے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ "میں عرب اور غیر عرب کا فصیح ترین خطیب ہوں"۔ آپؐ کا کلام ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپؐ کے اقوال جوامع الکلم ہیں جن میں ایک دریاے معانی بند ہے۔ ان سے فیض یاب ہو کر مسلمانوں کے اہل علم، ذوق ادب اور ذوق لطیف اور حسن کلام سے بہرہ مند ہوتے رہے ہیں۔ لطافت و نزاکت ادب کے دقائق کے شناسا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہر ملک اور ہر زبان میں ماہر خطیب اور فصیح اللسان ادیب پیدا کیے ہیں۔ مسلمان ادیبوں نے اعلیٰ درجے کا ادب لطیف دنیا کے سامنے پیش کیا۔

مسلمان اہل قلم نے صرف سنجیدہ اور خشک ادب کی ہی آبیاری نہیں کی ہے بلکہ تفریحی ادب کی بھی آبیاری کی ہے۔ جاحظ کے مسائل، حریری کے مقامات، گلستان و بوستان، باغ و بہار و نو طرز مرصع سب اسی قبیل کی کتابیں ہیں۔ عام تصور کے برخلاف اسلام کھیل، تفریح اور خوش طبعی کی اجازت دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حبشی نوجوانوں کو کھیلنے پر آمادہ دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا: اے اہل حبشہ، یہاں مسجد میں کھیلو، تاکہ یہود کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں بڑی وسعت ہے۔

تحسین خط: کلام اللہ سے عقیدت و محبت کا ایک رخ تحریر و کتابت کلام الٰہی کی جانب ہے۔ قرآن مجید کی کتابت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا، جس میں بڑا تنوع اور بوقلمونی ہے۔ کتابت قرآن مجید کے ایسے لاثانی اور نادر نمونے مسلمان قلم کاروں نے پیش کیے ہیں، جو آج دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ

ہیں' ان کا فی الحقیقت کوئی جواب نہیں' وہ لاثانی ہیں۔

آغاز میں مکی مدنی خط ایک سپاٹ سی تحریر تھی۔ قرآن مجید کو بہترین انداز پر لکھنے کے دینی جذبے نے بتدریج اس خط کو حسن و رعنائی' زیبائی اور دل کشی کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی خط دل کشی اور زیبائی میں عربی خط کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دنیا کی کوئی کتاب حسن و دل کشی میں قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی خط کا یہ ارتقائی سفر بڑا دلچسپ ہے اور صدیوں پر محیط ہے۔ اسلامی سلطنتوں کے ساتھ ساتھ عربی خط بھی سفر کرتا رہا۔ مدینہ سے یہ خط کوفہ منتقل ہوا اور خط کوفی کہلایا۔ یہاں اس کو اعراب کا اعلیٰ نظام دیا گیا جس کے بعد اس کا پڑھنا غیر مسلموں کے لیے بھی سہل ہو گیا۔ کوفہ سے یہ قیروان' افریقہ پہنچا اور خط قیروان کہلایا۔ وہاں سے فاس (مراکش) پہنچا اور خط مغربی کہلایا۔ وہاں سے اندلس گیا اور خط قرطبی کہلایا۔ قیروان سے جنوب میں ٹمبکٹو (مالی) گیا اور خط تکروری کہلایا۔ اتنے سارے خطوط کے نام سے یہ شبہ نہ ہو کہ طرز تحریر میں کوئی زیادہ فرق آ گیا تھا۔ افریقی خطوط تقریباً یکساں تھے۔ مشرقی ممالک میں بھی عربی خط نے بہت ترقی کی۔ کوفہ سے دمشق پہنچا' وہاں پہلی مرتبہ خط کی تزئین اور آرائش کی کوشش کی گئی۔ قطبہ بن شبیب طائی پہلا باقاعدہ خطاط تھا۔ خط کا دوسرا بڑا محقق ابن مقلہ تھا جس نے خط نسخ اختراع کیا جو آج تک مستعمل ہے۔ قرآن مجید آج بھی نسخ ہی میں لکھا جاتا ہے۔ اس خط کا امام یاقوت مستعصمی تھا (۶۹۸ھ)

کاملے باید کہ در یابد اصول خط نیک ورنہ ہر ناقص نہ داند شیوۂ یاقوت چیست

تاتاریوں کے زمانے میں دارالحکومت بغداد سے تبریز منتقل ہو گیا۔ وہاں نیا خوب صورت خط "تعلیق" ایجاد ہوا۔ تیمور کے زمانے میں دارالحکومت سمرقند منتقل ہو گیا۔ وہاں خط "نستعلیق" ایجاد ہوا۔ حسن و لطافت' زیبائی اور جاذبیت میں خط نستعلیق سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ میر عماد حسینی (۱۰۲۴ھ) اس خط کا امام گزرا ہے۔ مغل بادشاہوں نے اس کو ہندستان میں مقبول بنا دیا۔ اردو زبان خط نستعلیق میں لکھی جاتی ہے۔

دبستان ہرات: یوں تو تمام ہی سلاطین حسن خط کے شیدا تھے۔ لیکن تیموریان ہرات (۸۰۷-۹۱۱) کا کوئی جواب نہیں۔ فنون لطیفہ خاص طور پر خطِ نستعلیق کی آبیاری اور ترقی پر جو غیر معمولی محنت اور توجہ انھوں نے صرف کی ہے' خاص طور پر بایسنغر مرزا اور حسین بایقرا نے' وہ تاریخ عالم میں لاثانی ہے۔ مختلف فن کاروں کی ایک فوج ظفر موج ان سلاطین کے درباروں سے وابستہ رہتی تھی۔ جن کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ ان میں کاتب' نقاش' جدول کش' مذہب' مجلد' صحاف' زرکوب' لاجورد شو' کاغذی' رنگ برنگ کاغذ ساز' روشنائی ساز وغیرہ وغیرہ' ہوتے تھے (تاریخ حبیب السیر)۔

مطلا وہ صفحہ کہلاتا تھا جس کی کتابت میں اور نقاشی میں آب زر (سونے کا پانی) استعمال ہوتا تھا۔ بغداد

کی تباہی (۱۲۵۸) کے موقع پر ہزارہا کتابوں کو تاتاریوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔ اس وقت بعض کتابوں سے سونا پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا۔ بہرکیف دہلی کے مغل سلاطین، ایران کے صفوی، بخارا کے ازبک اور قسطنطنیہ کے عثمانی، کوئی بھی فن پروری میں تیموریان ہرات سے بازی نہ لے سکا۔

ہراتی فن کاروں کی تیار کردہ بہترین کتاب شاہنامہ فردوسی کا وہ نسخہ ہے جو حسین بایقرا کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تیاری میں بیسیوں فن کاروں نے حصہ لیا تھا۔ یہ آج ترکی کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ فن تعمیر کا بہترین نمونہ مسجد دل شاد بیگم ہے جس میں بادشاہ حسین بایقرا نے خود اپنے ہاتھ سے کتبات لکھے تھے۔

مدینہ منورہ کے کتب خانے میں عہد عالم گیری میں لاہور کے کاتبوں کے لکھے ہوئے دو قرآن مجید ہیں۔ سارا قرآن مجید ۳۰ اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ ہر سطر کا آغاز حرف داؤ سے ہوتا ہے۔ یہ محمد حسین لاہوری کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا قرآن مجید بھی ۳۰ اوراق پر ہے۔ یہاں ہر سطر کا پہلا حرف الف ہے جس سے سطر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ قرآن مجید، روح اللہ لاہوری کا لکھا ہوا ہے (تاریخ عبدالقادر کردی)۔ یہ سب اسلام کے ذوق جمالیات کا فیضان ہے۔ یہ سب قرآن مجید کا فیضان ہے۔ کتابت قرآن مجید میں کاتب بیک وقت تحسین جمال اور تنزیہہ کمال حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ بقول اقبالؒ ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت — معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

ذوق جمال اور تقرب حق : مسلمان فن کاروں اور ماہرین اساتذہ کے نزدیک ذوق جمالیات کے مظاہرات تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ فن پاروں کے حسن و جمال میں حقیقت کبریٰ کا جلوہ عکس ریز ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم چند ماہرین فن کاروں کی آرا پیش کرتے ہیں۔ سرنامہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَلشُّعَرَآءُ تَلَامِیذُ الرَّحْمٰنِ، شعرا رحمٰن و رحیم کے شاگرد ہوتے ہیں۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں "فن خطاطی" کو "توفیق ایزدی کا فیضان" لکھا ہے اور ماہر خطاطوں کو "مکتب علم لدنی کے فیض یافتہ" لکھا ہے۔ مشہور و معروف استاد فن خطاطی بابا شاہ اصفہانی (۹۹۴ھ) نے اپنے رسالے میں لکھا ہے: "حسن کی قدر و منزلت آدمی کو حبیب تک پہنچا دیتی ہے" (آداب المشق، مخطوطہ مخزونہ جامعہ پنجاب، لاہور)۔ چونکہ حسن خط کا تعلق مشاہدۂ جمال شاہد حقیقی سے ہے، اس لیے وہ فن کار کو طہارت، نظافت اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کی نصیحت کرتا ہے: "کاتب کے لیے ضروری ہے کہ بری صفات سے اجتناب کلی کرے اور صفات حسنہ اپنے اندر پیدا کرے تاکہ صفات حسنہ کا نور اس کی تحریر کے چہرے سے ظاہر ہو اور ہوش مند لوگوں کو پسندیدہ نظر آئے"۔ ایک دوسرے استاد فن خطاطی سلطان علی مشہدی لکھتے ہیں: صفائے خط از صفائے دل است، خط میں صفائی دل کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ "شان خط" کے متعلق وہ لکھتے ہیں: "شان خط وہ حالت ہے کہ جب تحریر میں پیدا ہو جاتی ہے تو کاتب اس

کو دیکھ کر خود مجذوب ہو جاتا ہے اور بے خود ہو جاتا ہے۔ جب کاتب کا قلم "صاحب شان" بن جاتا ہے' تو وہ پھر دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی مشق میں مشغول ہو کر شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کا نظارہ کرتا رہتا ہے"۔ بقول علامہ اقبال ؒ ؎

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوق جمال خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟

اشیا مستعملہ جمیلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ (مسند احمد' ج ۱' ص ۲۹۹) "اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے"۔ بقول غالب ؎

آرایش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ٥ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے ٥ صاف ہے' صفائی کو پسند کرتا ہے ٥ شریف ہے' شرافت کو پسند کرتا ہے ٥ سخی ہے' سخاوت کو پسند کرتا ہے ٥ اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود سے مشابہت مت اختیار کرو (ترمذی)۔

مسلمانوں کی تعلیم و تربیت مشکوٰۃ نبوت ؐ کی روشنی میں ہوئی ہے۔ ان کا ذہنی قالب مذکورہ بالا احادیث کی رہنمائی میں تیار ہوا ہے۔ جسمانی طور پر جہاں وہ طہارت اور نظافت کا اہتمام کرتے ہیں وہاں ذہنی طور پر تزئین اور تحسین اشیا کا اہتمام کرتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی انھیں ترغیب دی ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ٥ (الکہف ۱۸:۷) واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے---- اس ذہنیت کے پیش نظر مسلمان کاری گروں نے عام استعمال کی اشیا کو حسین اور جمیل بنا کر پیش کیا۔ مثلاً قالین' مصلّیٰ' پارچہ جات' ظروف' اسلحہ کے مطلا اور مذہّب دستے حتیٰ کہ حقے کی منہال۔ گویا انھوں نے حسن و جمال کے عکس کو ان اشیا مصنوعہ میں مرتکز کر دیا۔

ان اشیا کو حسین و جمیل بنانے میں مسلمان کاری گروں نے تصویر کا استعمال نہیں کیا۔ اس لیے کہ اسلام میں یہ ممنوع ہے۔ ان میں مختلف انداز سے بیل بوٹے اور گل کاری کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں رنگوں کا تنوع بھی بڑا جاذب نظر ہے۔ ان سب کا مجموعی اثر ذہن پر نہایت فرحت بخش اور دل خوش کن ہوتا ہے۔ فریئر ہال' کراچی میں ایک مرتبہ ایک امریکن نے اپنے نوادرات کو پیش کیا تھا۔ ان میں خلیفہ عثمانی سلطان سلیمان اعظم (۱۵۲۰-۱۵۶۶) کی چٹائی پیش کی گئی تھی۔ اس کا تانا ہاتھی دانت کے تاروں کا' اور بانا سونے کے تاروں کا تھا۔ یہ بڑی خوب صورت چٹائی تھی۔ چار یا پانچ افراد اس پر بآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ایک استعمالی شے تھی اور پھر حسین اور جمیل بھی۔

یہاں مسلمان فن کاروں اور کاری گروں کے نقطۂ نظر میں اور ہندوؤں' یونانیوں اور یورپ کے نقطۂ نظر میں واضح فرق موجود ہے۔ دوسری قوموں کے یہاں صرف ندرت کافی ہے۔ استعمال ہونا ضروری

نہیں۔ بلکہ عام طور پر ان کی اشیا قابل استعمال ہوتی ہی نہیں۔ اس سلسلے میں مشہور نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنی کتاب اسلامی تہذیب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں انگلستان میں فن پاروں کی اہمیت اور توقیر کے سلسلے میں ایک بحث چل نکلی۔ فن کے قدر دانوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ فرض کیجیے کسی عمارت میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس کی بالائی منزل میں یونانی بت سازی کا انتہائی نادر نمونہ رکھا ہوا ہے اور ایک انسانی بچہ بھی وہاں موجود ہے۔ بتایئے پہلے کس کو بچایا جائے؟ فن کے تمام شیدائیوں کا فتویٰ یہ تھا کہ نادر نمونے کو بچایا جائے خواہ انسانی بچہ ہلاک ہو جائے۔ اس لیے کہ فن کا نمونہ پھر دستیاب نہیں ہو سکتا---- مٹی اور پتھر کے نمونے پر انسانی جان کو قربان کر دینا اسلام کے اساسی تصور کے خلاف ہے۔ ساری اشیا انسان کے لیے ہیں۔ انسان ان اشیا کے لیے نہیں ہے۔

تصویر سازی انحراف ہے: اسلام کا تصور حیات نظریاتی ہے۔ اس کے تحت تمام سرگرمیاں اور مظاہرات بھی نظریاتی ہیں۔ اسلام کا سارا نظام حیات باہم مربوط ہے اور شعور دینی کی خاص رہنمائی کے تحت فروغ پاتا ہے۔ شرک و بت پرستی کی تباہ کاریاں مذاہب کی تاریخ میں اظہر من الشمس ہیں۔ اس لیے سدباب ذریعہ کے طور پر اسلام نے بت سازی، تصویر سازی، عریانی اور رقص و سرود کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس لیے اسلامی فنون لطیفہ کے دائرے میں مسلمان فنکاروں نے جائز حدود میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ البتہ کہیں کہیں انحراف کی شکلیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔

نظریاتی زندگی کا ایک خاصہ انحراف ہے۔ جہاں غیر معمولی اکثریت نظریہ کی پابندی اختیار کرتی ہے وہاں کچھ لوگ انحراف بھی کر ڈالتے ہیں۔ انحراف کی حیثیت، صحت کے مقابلے میں مرض اور بیماری کی ہے۔ مرض عام طور پر تو انفرادی رہتا ہے لیکن کبھی وبائی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے اور ایک کثیر گروہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال میں مسلمان اقوام نے مختلف ملکوں، مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں وقت گزارا ہے۔ مختلف اقوام کے ساتھ ان کی ہم سائیگی اور مجاورت رہی ہے۔ ان سے روابط حاکمانہ بھی رہے ہیں اور محکومانہ بھی۔ طبعی قانون کے تحت وہ ان پر اثرانداز بھی ہوئے اور ان سے متاثر بھی۔ اسلام کے عروج کا زمانہ تھا، تو یونانی ہمسایہ ہونے کے باوجود مسلمانوں نے تصویر سازی سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ لیکن دور زوال میں جب تاتاری غیر مسلم عالم اسلام کے بڑے حصے پر غالب آگئے، تب چینی تصویر سازی کو تاتاریوں اور پھر مغلوں اور تیموریوں نے فروغ دیا۔ یہ انحراف تھا۔ اسلامی مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ مگر جدید دور میں مستشرقین کی تمام مساعی نامسعود کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ ارباب زیغ کو اسلام کا نمائندہ ثابت کریں۔ اس طرح وہ دور انحراف کو اسلام کا نمائندہ ثابت کرتے ہیں۔ یوں ہر طرح سے اسلام کے منور چہرے کو غبار آلود بناتے رہتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم مئے گذشتہ و جام شکستنی دارد

ترجمہ: ایک بار پھر عرب کے صحرا میں خیمہ لگا کیونکہ عجم کی بزم میں، بے اثر شراب اور ٹوٹا ہوا جام ہے۔

اچھا شوہر

سیرین صالحہ ○

ہمارے معاشرے میں عموماً حقوق الزوجین کے بارے میں جب بھی گفتگو کی جاتی ہے' بیوی کے فرائض تک محدود رہتی ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مردوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے اور بیویوں کے حقوق کی ادائیگی پر ابھارا جائے' جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے' اور میں تم سب لوگوں سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں۔

زیر نظر مضمون میں بعض ایسے مشورے دیے گئے ہیں جو مسلمان مردوں کو نبی کریمؐ کی اس حدیث کے مصداق بہتر شوہر بننے میں مدد دیں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بھی تکمیل ہو گی:
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج (النساء ۴:۱۹) ان (بیویوں) کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔

۱۔ تمام معاملات میں عموماً اور گھر والوں کے ساتھ خصوصاً خدا ترسی کی روش اختیار کرنا۔

۲۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک اللہ سے قربت کا ذریعہ ہے۔

۳۔ اللہ کی اطاعت کے معاملے میں بیوی کے ساتھ تعاون کرنا' دعوت دین کا کام کرنے کے لیے اسے بخوشی باہر نکلنے کی اجازت دینا' اور اس وجہ سے اپنے کچھ حقوق پر زد پڑے تو پروا نہ کرنا۔

۴۔ ان صفات کو اپنانا جو بحیثیت مرد اور "قوام" ضروری ہیں' مثلاً سچائی اور امانت' اچھی قیادت' ذمہ داری کا احساس۔

۵۔ "قوام" کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اپنانا' یعنی اچھی قیادت اور ذمہ داری کا احساس تو ہو لیکن زبردستی اپنا کنٹرول قائم کرنے کے بجائے نرمی اور مہربانی کے ساتھ گھر کا نظام چلایا جائے۔

۶۔ بیوی کے رازوں کی حفاظت کرنا۔

۷۔ غیرت و حمیت کا جذبہ ہو' لیکن بدگمانی اور خوامخواہ شکوک و شبہات میں نہ پڑنا۔

○ رکن' بیٹھک اسکول کمیٹی' لاہور

۸۔ اپنے وقت میں سے کچھ حصہ ضرور بیوی کے ساتھ بیٹھنے' ہنسی مذاق اور دل لگی کے لیے مخصوص رکھنا۔

۹۔ بیوی کو محبت' نرمی اور اچھے ناموں سے پکارنا جو اس کو پسند ہوں۔

۱۰۔ اس کے حسن کی' خوبیوں کی تعریف کرنا۔

۱۱۔ خوشی کے چھوٹے چھوٹے مواقع کو فراموش نہ کرنا۔ شادی کی سالگرہ یا بیوی کی سالگرہ کا دن ہو' یا اس طرح کا کوئی اور موقع ہو' اسے یاد رکھ کر تحفہ دینے کا اہتمام کرنا۔

۱۲۔ بیوی کے ساتھ ہمیشہ دوستی اور نرمی کا رویہ رکھنا۔ اپنے مطالبات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ حکم سمجھ کر مجبوراً تعمیل نہ کرے بلکہ برضا و رغبت کرے۔

۱۳۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور نرمی کے رویے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھنا۔

۱۴۔ اسے شریک زندگی سمجھ کر ہر معاملے میں مشورہ لینا' مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے یا کوئی بھی منصوبہ بناتے ہوئے اس کی رائے لینا۔

۱۵۔ اسے یہ احساس دلانا کہ آپ اس پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ آپ کی رازدان ہے۔

۱۶۔ جو چیز وہ آپ کے سامنے پیش کرے اس کی تعریف کرنا' خواہ وہ معمولی یا روز مرہ کا معمول ہی کیوں نہ ہو۔

۱۷۔ اس کے جذبات و احساسات کو معمولی سمجھ کر نظرانداز نہ کرنا بلکہ اولین ترجیح سمجھ کر اہمیت دینا۔

۱۸۔ اس کے ہمراہ گھر سے باہر سیر و تفریح کے لیے جانا۔

۱۹۔ جب بھی اپنی کسی غلطی کا احساس ہو' معذرت کر لینا لیکن یہ سرسری یا بادل ناخواستہ نہ ہو بلکہ افہام و تفہیم کے لیے ہو۔

۲۰۔ آپ کی بیوی آپ کے لیے بنتی سنورتی ہے' آپ بھی اسے خوش کرنے کے لیے اپنی شخصیت پر توجہ دیں۔

۲۱۔ اس کی بیماری کے زمانے میں ہمدردی اور محبت کے ساتھ حوصلہ دینا' اسے اکیلا نہ چھوڑنا۔

۲۲۔ اگر وہ باہر سے کوئی ضرورت کی چیز منگوائے' خواہ وہ معمولی ہی ہو' لانا ہرگز نہ بھولیں۔

۲۳۔ گفتگو میں نرمی اختیار کرنا۔ بحث کی صورت میں صحیح نقطۂ نظر کو تسلیم کر لینا اگرچہ وہ آپ کی رائے کے برعکس ہو۔

۲۴۔ سفر یا کسی اور صورت میں بیوی سے دور ہوں تو فون یا کسی اور ذریعے سے رابطہ رکھنا۔

۲۵۔ غیر حاضری کے بعد محبت اور خوش دلی کے ساتھ ملنا۔

۲۶۔ خندہ پیشانی اور مسکراہٹ کو اپنا وطیرہ بنائیں' خصوصاً گھر میں داخل ہوتے وقت اطلاع دے کر

اندر جائیں اور محبت اور خوشی کا اظہار کریں۔

۲۷- اگر بیوی کسی وجہ سے غمزدہ ہو تو اس کے اسباب جاننے اور انھیں دور کرنے کی فوری کوشش کرنا۔ اس کی تکلیف سے لاپرواہی ہرگز نہ برتنا۔

۲۸- حیض' حمل اور ولادت کے دنوں میں اس کی جسمانی حالت کے پیش نظر اس کے ساتھ رعایت کرنا۔ ان ایام میں اس کے ساتھ نرمی' صبر اور رحمت کا خصوصی معاملہ کرنا۔

۲۹- اپنی بیوی اور ماں کے درمیان پیش آنے والے معاملات میں سمجھ داری کا ثبوت دینا۔ آپ انھیں ایک دوسرے سے دور کرنے کا نہیں' بلکہ قریب لانے کا باعث ہوں۔

۳۰- اپنی بیوی پر تنقید نہ کرنا خصوصاً دوسروں کے سامنے۔ اس طرح اشارتاً بات کہیں کہ وہ آپ کا مطلب سمجھ جائے۔

۳۱- بیوی گھر کی منتظم ہوتی ہے۔ گھر کے نظم و نسق یا اس کے طریقۂ کار پر تنقید نہ کرنا اور اس کا کسی اور سے موازنہ بھی نہ کرنا' مثلاً اپنی والدہ یا دوست کی بیوی سے۔

۳۲- اس کے ماں باپ کا احترام کرنا اور انھیں اپنے والدین کا رتبہ دینا۔

۳۳- اس کے گھر والوں اور اس کی سہیلیوں کی عزت کرنا۔

۳۴- حکمت اور برداشت سے کام لیتے ہوئے تمام مشکلات اور معاملات خوش اسلوبی سے نبھانا۔

۳۵- ہمیشہ کوشش کرنا کہ مشکلات و مسائل اندرون خانہ ہی حل ہو جائیں' کسی اور سے مشورہ کرنے کی نوبت نہ آئے۔ کبھی بھی بیوی کی شکایت کسی سے نہ کرنا' خواہ اس کے گھر والے ہی ہوں۔

۳۶- ازدواجی زندگی کے مسائل میں اپنے یا اس کے والدین کی طرف رجوع نہ کرنا کیونکہ وہ فطری طور پر اپنے بیٹے یا بیٹی سے زیادہ انسیت رکھتے ہیں۔ آپ دونوں کے مسائل کے حل کے لیے جو بھی مدد کرے' محبت اور رحمت کے جذبے ہی سے کرے۔

۳۷- چھوٹے چھوٹے روز مرہ گھریلو معاملات میں غصے سے پرہیز کرنا' جذبات پر قابو رکھنا' اشتعال میں نہ آنا' حد سے تجاوز نہ کرنا۔

۳۸- گھر کا نظم و نسق قائم رکھنے میں بیوی کی مدد کرنا۔ اگر کسی وقت وہ گھر کی صفائی یا تزئین و ترتیب میں مصروف ہو تو مہمانوں کو مدعو نہ کرنا۔

۳۹- اس کے فرائض کی ادائیگی میں مدد دینا اور اس کا بوجھ ہلکا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔ یہ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے' مثلاً بچوں کے ساتھ بیٹھنا' گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانا' خریداری میں مدد' بھاری چیزیں اٹھانا وغیرہ۔

۴۰- بیوی کے مہمانوں کی آمد کی صورت میں مہمان نوازی میں مدد تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ بیٹھ سکے (ماخوذ: ہفت روزہ المجتمع ' کویت' ۱۴ جون ۱۹۹۹)۔

سائنسی ترقی کا نصب العین

عہد حاضر کا ایک بنیادی مسئلہ

ڈاکٹر جمیل جالبی ٥

سائنسی ترقی کا نصب العین' اس دور کا ایک اہم اخلاقی سوال ہے۔ یہ ترقی جس تہذیبی پس منظر میں ہوئی ہے' اس کی جھلک ناگزیر طور پر اس ترقی کی سمت اور اس کے اچھے اور برے ثمرات میں نظر آتی ہے۔ ایک بے خدا تہذیب کے لیے اخلاقی حوالہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا' لیکن جب انسان کو حقیقت کی دنیا میں مسائل سے واسطہ پیش آتا ہے تو اخلاقی حوالے سے مفر نہیں۔

سائنس اور اخلاقیات پر مغرب میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی کچھ مسائل اٹھائے ہیں' لیکن کیا سائنس کی سہولتوں اور آسایشوں کی رسائی غریب و امیر تک یکساں کر دینے سے مسائل حل ہو جائیں گے؟ یہ اور دوسرے پیچیدہ سوالات کا صحیح جواب' انسان کا کائنات میں اپنا حقیقی مقام پہچاننے پر منحصر ہے۔ بہرحال' ان موضوعات پر بحث کی ضرورت ہے۔ (مدیر)

یہ سوال ربع صدی سے مجھے مسلسل پریشان کر رہا ہے کہ اس دور میں جب سائنس اور ٹکنالوجی نے دنیا کے منظر کو بالکل بدل دیا ہے' آخر اہل دانش یہ سوال کیوں نہیں اٹھا رہے ہیں کہ اس تبدیلی کے پیچھے کیا کوئی ایسا بڑا مقصد یا آدرش بھی ہے جس سے انسانی مساوات اور انصاف کے راستے' یکساں طور پر' عوام و خواص سب کے لیے کھل جائیں اور سرمایہ داروں کی سفاکانہ ہوس زر میں اعتدال پیدا ہو جائے؟ یہ سائنسی دور کی اخلاقیات کا پہلا اور سب سے بڑا سوال ہے۔ ۱۹۷۵ء میں' میں نے لکھا تھا:

---

٥ سابق صدر نشین مقتدرہ قومی زبان' سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی

سترھویں صدی میں جب "مغرب" نے نشأت ثانیہ کے دور میں ترقی کا راستہ اختیار کیا تھا تو اس نے سارے اخلاقی بندھن توڑ کر "لامحدود تفتیش اور تحقیق کی مکمل آزادی" کا نظریہ اپنا لیا تھا۔ یہ مغرب کا شعوری فیصلہ تھا۔ "تحقیق" کی اس مکمل آزادی کے تصور کو پروان چڑھانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہر اخلاقی نظام سے خود کو کاٹ کر الگ کر لے۔ جب مغرب نے ایسا کیا تو سائنسی ایجادات اور نئی نئی دریافتوں کا راستہ تو کھل گیا لیکن اس کے ساتھ خیر و شر کے سارے امتیازات بھی اٹھ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ علم اور سائنس کی ایجادات سے پیدا ہونے والی طاقت ایک ایسے سیاسی شخص کے ہاتھ میں آگئی جس کی اخلاقی تعلیم صفر کے برابر تھی (مشرق کا المیہ' ڈاکٹر جمیل جالبی' مشمولہ "نئی تنقید"' ص ۲۹۰-۲۹۱' کراچی ۱۹۸۵)۔

ایک ایسی دنیا میں' جہاں عام انسانی سطح پر' سماجی انصاف کا تصور بے معنی ہو اور جہاں آزاد منڈی کی معیشت' نئے عالمی نظام کے طور پر تیزی سے پھیل اور پھیلائی جا رہی ہو' حرص و طمع اور اسلحات کا بے محابہ استعمال اسی طرح عام ہو جائے گا جس طرح آج اس سمٹتی سکڑتی دنیا میں ہر طرف نظر آ رہا ہے' جس میں پسماندہ ممالک' سفاک استحصال کا بری طرح شکار ہو رہے ہیں اور ان کی قومی معیشت سے تیار ہونے والا حلوہ مغربی اقوام ہڑپ کر رہی ہیں اور سب کچھ قومی مفاد اور انصاف کے نام پر ہو رہا ہے۔

آج تک انسانی تاریخ میں جتنے نظام آئے اور اس نظام سے جو "فکر" ابھری اور پھیلی اس میں سماجی و معاشی جبر و استحصال کو ختم کر کے انصاف و مساوات کے فلاحی تصور کو پیش کیا گیا تھا۔ سارے مذاہب کی مقبولیت کا راز بھی یہی تھا کہ انھوں نے اپنے دور میں عدل و مساوات کا وہ تصور پیش کیا جو یکساں طور پر غریب و امیر' عوام و خواص سب کے لیے تھا۔ سائنس بھی' انسانی سطح پر' اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب وہ بھی دولت کی منصفانہ تقسیم سے معاشی و معاشرتی عدم مساوات کو دور کرے' لیکن یہی کام سائنس انجام نہیں دے رہی ہے۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جدید ٹکنالوجی' نئی نئی مشینوں اور کمپیوٹروں کے ذریعے فیکٹریوں اور دفتروں میں کام کرنے والوں کی جگہ لے رہی ہے' تیزی سے اسٹاک ہولڈر' انتہائی دولت مند ہو رہے ہیں اور اس دولت کو پیدا کرنے والے کارندے غریب و بے روزگار ہو رہے ہیں۔ چاروں طرف بے روزگاری کا عفریت منہ پھاڑے بے روزگار نوجوانوں کو ہڑپ کر رہا ہے۔ ایشیا' لاطینی امریکہ' افریقہ وغیرہ معاشی بدحالی کے منہ میں پھنسے ہوئے ہیں اور دولت کی تقسیم میں عدم مساوات روز بروز تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ لوہے کے سوداگر (اسلحہ فروش) اس انتشار کی فضا میں خوب دولت بٹور رہے ہیں۔ جس "سوداگر ملک یا قوم" کے تصرف میں یہ ٹکنالوجی ہوتی ہے وہ ساری دنیا پر چھا جاتا ہے۔ سائنس کے اس دور میں وہ ٹکنالوجی موثر و

کامیاب ہے جو منافع خوری کے عمل کو آگے بڑھائے۔ ہر جدید ٹکنالوجی کی کامیابی یا ناکامیابی کا یہی واحد معیار ہے۔

اس صورت حال میں جب ٹکنالوجی' ہر اخلاقی قدر سے آزاد ہو کر' ۱۰۰ فی صد منافع خور و سفاک سرمایہ دار کے ہاتھ میں آگئی ہے' کیا یہی وہ کام ہے جو ہمیں سائنس و ٹکنالوجی سے لینا چاہیے؟ سوچنے اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنے والے دور میں' عالم انسانیت پر' اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

سائنس و ٹکنالوجی کے آغاز میں' بلکہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے نصف تک' سائنس نے جو کام کیے اس سے عام و خاص کو یکساں طور پر فائدہ پہنچا۔ سائیکل' موٹر سائیکل' ریلوے' بسیں' موٹریں' ٹیلی فون' ریفریجریٹر' ریڈیو' ٹیلی وژن' ویکسین' اینٹی بائیوٹک' وٹامن' بجلی وغیرہ نے عام انسانی زندگی کو بدلا اور متاثر کیا اور خاص و عام کے فرق کو کم کیا۔ اس سے سب یکساں طور پر مستفیض ہوئے۔ قیمتیں بھی اتنی کم رکھی جاتی تھیں کہ وہ سب اشیا ہر شخص کی دست رس میں آسکیں۔ سب کو یکساں طور پر فائدہ پہنچانے کا یہ رجحان دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵) کے بعد بدلنے لگا۔

ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم سے حملے (۱۹۴۵) کے بعد "جوہری انشقاق ری ایکٹر" (Nuclear Fission Reactor) کا استعمال' بجلی و توانائی پیدا کرنے کے لیے' شروع ہوا اور اس نے بھی ساری انسانیت کو فائدہ پہنچایا۔ اس دریافت سے بہت سی ایسی مشینیں وجود میں آئیں جن سے بیماریوں کے علاج میں موثر طور پر کام لیا جا سکتا تھا۔ مثلاً "ٹرائی گا" (Triga) کے نام سے ایسی جوہری مشین تیار ہوئی جس سے' مرض کی تشخیص کے لیے' آئی سو ٹوپس (isotopes) تیار کیے جا سکتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ منافع خوری کا وہ رجحان پیدا ہوا جو اب تک کی ایجادات سے پیدا نہیں ہوا تھا۔ بے حد قیمتی ہونے کی وجہ سے "ٹرائی گا" صرف بہت بڑے ہسپتال ہی استعمال کر سکتے تھے۔ اس مشین کے فائدے عام اور غریب آدمی کے لیے نہیں تھے' جب کہ بیماری امیر و غریب کو دیکھ کر نہیں آتی۔ اس رجحان کے ساتھ' سائنس اور ٹکنالوجی کی سطح پر' عوام و خواص کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا۔ آج سائنس اور ٹکنالوجی کا رخ اسی منافع خوری کی طرف ہے۔

اب "سی اے ڈی ' سی اے ایم" (Computer Aided Design and Computer Aided Manufacturing) کی حکمرانی کا دور آیا ہے۔ یہ ٹکنالوجی جوہری توانائی کے بعد کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی مدد سے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کا کاروبار چمک اٹھا ہے۔ اب ہاتھ سے کام کرنے والے کارندوں کی سرے سے ضرورت ہی باقی نہیں رہی ہے۔ اس انتہائی مہنگی ٹکنالوجی (سی اے ڈی' سی اے ایم) کو اب بڑے بڑے صنعت کار اپنی فیکٹریوں میں استعمال کر کے دولت مند طبقہ خواص سے خوب

دولت بٹور رہے ہیں۔

سائنس دان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں "سی اے ایس، سی اے آر" (Computer Aided Selection and Computer Aided Reproduction) سوفٹ ویئر کی مدد سے ہمارے پوتے پڑپوتے اپنے پالتو جانور، مثلاً کتے، بلیوں وغیرہ کو اپنی مرضی و پسند کے مطابق وجود بخش سکیں گے اور اپنے جانور کو اپنی پسند کے رنگوں کے مطابق ڈیزائن کر سکیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے طرز عمل کو بھی ڈیزائن کر سکیں گے اور پھر اس ڈیزائن کو برقیاتی طور پر، مصنوعی زرخیز کاری تجربہ گاہ (fertilization laboratory) میں بھیج کر ۱۲ ہفتے بعد اپنا مطلوبہ جانور حاصل کر لیں گے جس کی گارنٹی سوفٹ ویئر کمپنی دے گی۔

اسکاٹ لینڈ کے ایک سائنس دان نے، "ڈولی" نام کی جو بھیڑ پیدا کی تھی، اس کی خبریں ہم اپنے اخباروں میں پڑھ چکے ہیں۔ ۲۴ جنوری ۱۹۹۸ کے اخبار ڈان میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ امریکہ میں ایسے دو بچھڑے "جارج" اور "چارلی" پیدا کیے گئے ہیں جن کے دودھ کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں انسان کے لیے شفا بخش اور صحت افزا لحمیے (پروٹین) موجود ہیں۔ پچھلے دنوں ایک رسالے میں، میں نے ایک خاتون کا خط پڑھا جنھوں نے ایسے جانوروں کی پیدایش کا محرک بننے والے سائنس دانوں کو آڑے ہاتھوں لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ سب لوگ ایسے ظالم ہیں کہ جانوروں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کر رہے ہیں۔ لیکن اب تو اس بات کا بھی دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ جب "سی اے ایس، سی اے آر" (CAS-CAR) سوفٹ ویئر ملنے لگے گا تو سائنس دان ایسا کتا بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کے جسم پر جامنی اور بسنتی رنگ ہوں گے اور جو مرغے کی طرح بانگ دیتا ہو گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم حد فاصل کہاں قائم کریں؟ کیا ہم سائنس اور ٹکنالوجی کو اپنی مرضی کے جانور یا اپنی مرضی کے عفریت (dragon) پیدا کرنے کی اجازت دیں گے؟ یہیں سے سماجی و انسانی اخلاق کا ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ہمارے پوتوں کو تلاش کرنا ہو گا۔ اگر عالم انسانیت نے اپنی مرضی کے کتے، بلی پیدا کرنے کی اجازت دے دی تو کیا ہمارے پڑپوتے "سی اے ایس، سی اے آر" (CAS - CAR) کی مدد سے اپنی مرضی کے اپنے بچے ڈیزائن کرنے سے باز رہیں گے؟ اس سے قبل کہ ہمارے پوتے یہ کام کریں، ہمیں پوری احتیاط کے ساتھ اس کے نتائج پر غور و فکر کرنا چاہیے اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم سائنس و ٹکنالوجی کا رخ کس سمت میں موڑیں، کہ جہاں سے انسانی فلاح اور خیر کا عمل پروان چڑھے، عدم مساوات ختم ہو اور جبر و استحصال کا خاتمہ ہو۔

سائنس سے "شر" اس وقت پیدا ہو گا جب وہ صرف اور صرف مال دار طبقہ خواص کے لیے،

ٹکنالوجی کی مدد سے' تیار کی ہوئی سہولتیں' کھلونے کے طور پر' پیش کرے گی اور "خیر" اس وقت پیدا ہو گا جب وہ غریبوں کے لیے بھی ضروریات زندگی فراہم کرنے کا کام کرے گی۔ مستحسن صورت یہ ہے کہ سائنس تمام عالم انسانیت کے لیے کار آمد' ضروری اور مفید اشیا بنا کر انھیں ایسی قیمت پر فروخت کرے کہ وہ عام آدمی کی دسترس میں بھی آ جائیں۔ "ٹرائی گا" (Triga) کے فوائد سے صرف مال دار طبقہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جدید ترین علاج صرف اور صرف امیر آدمی کی دسترس میں ہے۔ پسماندہ ممالک میں تو پیٹ بھر روٹی بھی سب کو میسر نہیں ہے۔ اکثریت کم خوری کی وجہ سے' طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ایشیا اور افریقہ کی کثیر آبادی اسی عذاب میں مبتلا ہے۔ خود امریکہ میں بھی' جہاں علاج عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے' بیماریاں اور اخلاقی کجی سڑکوں پر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ غریبوں کی ضروریات میں نہ صرف کھانا' سر چھپانے کو جگہ' بلکہ صحت اور سفری سہولتیں بھی شامل ہیں۔

بیسویں صدی کے خاتمے پر' غریب اور امیر سب کو' یکساں طور پر فائدہ پہنچانے میں' سائنس کی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ آج "خالص سائنس دان" تو عالم انسانیت کی عام ضروریات سے بے نیاز ہو گئے ہیں اور ان کے برعکس "اطلاقی سائنس دان" فوری منافع کمانے میں لگ گئے ہیں۔ چونکہ تحقیق کے کاموں کو مالیات فراہم کرنے کا کام کمیٹیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جن کے ارباب حل و عقد بڑی بڑی کمپنیوں کے اعلیٰ ترین عہدے دار ہوتے ہیں' اسی لیے وہ ایسی تحقیقات کو مالیات فراہم کرتے ہیں جنھیں مال دار طبقہ' جس میں وہ خود بھی شامل ہیں' مہنگے ۔ سے مہنگے داموں خرید سکے۔ جلد منافع خوری کے اس انداز فکر نے جدید سائنس کو مال دار طبقے کے ہاتھ میں یرغمال بنا دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان ترجیحات کو بدلا جائے تاکہ ایسی ٹکنالوجی کو فروغ دیا جا سکے جس سے غریبوں کو بھی یکساں طور پر فائدہ پہنچ سکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب سائنس دانوں کے بنیادی اخلاقی اصول و معیار اور ان کا انداز نظر تبدیل ہو۔ بیسویں صدی میں جو خرابیاں' سائنسی ترقی کے طوفان سے' انسانی معاشرے میں پیدا ہوئی ہیں ان کا واحد حل یہ ہے کہ مساوات کے اخلاقی تصورات کو سائنسی فکر کے بطن میں داخل کیا جائے۔

اس وقت نئی طوفانی لہریں تین طرف سے اٹھ رہی ہیں۔ ایک' "انفارمیشن" کی سطح پر جو کمپیوٹر اور "انگشتی حافظے" (digital memory) سے پیدا ہوئی ہیں۔ دوسرے' "بایو ٹکنالوجی" سے' جس کے اثرات' جو ابھی تو پورے طور پر سامنے نہیں آئے ہیں لیکن اکیسویں صدی میں جلد ظاہر ہو جائیں گے' جس کی بنیاد "ڈی این اے" (DNA) کے "تسلسل" (sequencing) اور "جینیاتی انجینیرنگ" (Genetic Engineering) پر قائم ہے۔ اور تیسرے' "عصبی ٹکنالوجی" (Neuro Technology) سے' جو اکیسویں صدی میں ذرا دیر سے سامنے آئے گی اور جس سے عصبی آلے (neuro sensors) کی مدد

سے انسانی جذبات کے اندرونی فعل اور انسانی شخصیت کو بدلا جا سکے گا۔ انسانی زندگی کے لیے یہ تینوں نئی ٹکنالوجیاں انتہائی خلل انگیز ہوں گی۔ سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ان ٹکنالوجیوں کی مدد سے فیکٹریوں، کھیتوں اور دفتروں میں کام کرنے والوں کو اکتاہٹ، بوریت اور بیزاری سے نجات دلا سکیں گے۔ ان کی مدد سے جسم و دماغ کی پرانی بیماریوں کو دور کیا جا سکے گا۔ صورت حال یہ ہو گی کہ جن کے پاس یہ ٹکنالوجی ہو گی، دولت و طاقت بھی ان کے پاس ہو گی۔ یہ نئی ٹکنالوجیاں نہ صرف پرانی صنعتوں اور کارخانوں کو بند کرا دیں گی، بلکہ وہاں کام کرنے والوں کو بھی بے کار کر دیں گی۔ یہ ٹکنالوجیاں غریبوں سے صرف نظر کر کے صرف امیر طبقے کو فائدہ پہنچائیں گی اور اس عمل سے دولت کی تقسیم میں عدم مساوات شدت اختیار کرے گی۔ بالفرض اگر ان کا یہ اثر نہیں ہو گا تو بھی یہ ضرور ہو گا کہ یہ انسانی زندگی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کریں گی۔ اس پر دنیا کے دانش وروں کو ابھی سے غور کرنا چاہیے۔

اس وقت ساری دنیا میں سب کے لیے سستے مکانات، صحت کی ارزاں نگہداشت اور اعلیٰ معیار کی حامل سستی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اکیسویں صدی میں انسانی سماج کا یہ بنیادی مسئلہ ہو گا کہ کس طرح ان تین نئی ٹکنالوجیوں اور غریب لوگوں کی تین بنیادی ضروریات کے درمیان فاصلے کو دور کیا جائے۔ فی الوقت تو ٹکنالوجی سے بنیادی ضروریات کے درمیان فاصلہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ ابھی تک سائنس دانوں نے اس بات کی اہمیت کو نہیں سمجھا ہے اور وہ سترھویں صدی سے آزاد و خود مختار تحقیق میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر سائنس نے دنیا کے غریبوں کو اسی طرح نظرانداز کیا اور فائدہ اسی طرح امیروں کو پہنچایا جاتا رہا تو اکیسویں صدی کے نصف آخر میں یہ غریب (لوگ اور ملک) جبر، ظلم اور استحصال کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے اور جذباتی اور پر تشدد فیصلے کر کے دنیا کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیں گے۔ امیر طبقہ شیشے کے گھر میں بیٹھا ہے، اور پتھر غریب (طبقے اور ملک) کے سامنے پڑے ہیں۔ بلاشبہ اس تشدد سے غریب، امیر تو نہیں ہو جائیں گے لیکن انسانی سماج ناآسودہ اور برباد ضرور ہو جائے گا۔ ممکن ہے غریب (لوگ اور ملک) ان خطرناک مشینوں ہی کو توڑ ڈالیں جن سے عدم مساوات جنم لے رہی ہے۔

ٹکنالوجی اور انسانی ضروریات کے درمیان یہ فاصلہ اُن اخلاقی اقدار سے ہی دور ہو سکے گا، جنھیں اہل دانش کو ابھی تلاش کرنا اور اہل سائنس کے ذہن نشین کرانا ہے۔ گذشتہ ۳۰ سال سے فضا کی آلودگی کو دور کرنے کے لیے عالمی سطح پر جو تحریک چلائی جا رہی ہے اس میں بنیادی طور پر اخلاقی قوت اور اخلاقی ترغیبات ہی کام آ رہی ہیں۔ امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں جوہری توانائی پر مبنی صنعتوں اور اسلحات کی بندش اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بات سب نے محسوس کی ہے کہ اخلاق کا ترغیبی اثر معاشیات و سیاسیات سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوا ہے۔ ان اخلاقی ترغیبات کا صرف یہی کام نہیں ہونا چاہیے کہ اب تک ٹکنالوجی نے جو

فاش غلطیاں کی ہیں' ان کو دور کرے بلکہ سماجی انصاف کے عمل کو سب ترجیحات میں بلند ترین مقام پر قائم کرے۔ دنیا کے کروڑوں لوگوں کو ذریعہ معاش' روزگار کے ساتھ سر چھپانے کے لیے جگہ اور علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرنا بھی سائنس کے زمرۂ اخلاق میں شامل کیا جانا چاہیے۔ اور یہ سب چیزیں انھیں ان داموں پر فراہم کی جائیں جو وہ ادا کر سکیں۔ سفاک و جابر آزاد منڈی کی معیشت' جو اخلاقی قدروں سے یکسر عاری ہے' یہ کام اس لیے نہیں کر سکتی کہ اس کی بنیاد استحصال' لوٹ کھسوٹ' جبر اور ننگی جارحیت پر قائم ہے۔ لیکن یہ کام اس مثبت ٹکنالوجی سے لیا جا سکتا ہے جس کی راہنمائی' انسانی ضمیر میں بیٹھی ہوئی اخلاقی اقدار کر رہی ہیں۔ ایسی اخلاقی قدروں کو فروغ دینے کا کام معلومات کی فراہمی کے عہد اور میڈیا [ہمہ پہلو ذرائع ابلاغ] کے ذریعے اسی طرح کیا جا سکتا ہے جس طرح فضائی آلودگی سے دنیا کو بچانے کے لیے آغاز کیا گیا ہے۔

سماجی انصاف کے مقصد کو سب کا مشترک مقصد بنانے کے لیے' موجود مذاہب سے بھی بڑا اور اہم کام لیا جا سکتا ہے۔ مذہب نے فکری سطح پر اب تک سماجی انصاف کے نظام کو بحال رکھنے کی خدمت انجام دی ہے۔ انسانی ذہن آج بھی اس کے اثر میں ہے۔ اس اثر کو بھی نئی سائنسی اخلاقیات کی تشکیل و فروغ کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔ سائنس کے اس منفی رجحان کو' نئے سائنس دانوں کو' ایک چیلنج کے طور پر قبول کرنا چاہیے۔

یہ تو میں نے صرف تین ٹکنالوجیوں کی بات کی ہے۔ ابھی تک علم حیاتیات کو پوری طرح نہیں سمجھا گیا۔ سائنس دانوں نے اس پہلو پر بھی پوری طرح غور نہیں کیا ہے کہ کس طرح بچوں اور بڑوں میں سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت کو بڑھایا جا سکتا ہے؟ کس طرح بوڑھا ہونے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے؟ کس طرح ذہن کی کمزوریوں کو دور کیا جا سکتا ہے؟ اکیسویں صدی میں "حیاتیات" ان امور کو سمجھ کر ایسی ٹکنالوجی دریافت کرنے میں پیش رفت کرے گی جس سے انسانی المیوں کو روکنے اور انسانی حالت کو بہتر بنانے کا کام لیا جا سکے گا۔

آج کل ترقی یافتہ ممالک میں بایو ٹکنالوجی کے ذریعے نسل انسانی کو بہتر بنانے کی بحثیں ہو رہی ہیں۔ شکاگو یونی ورسٹی کے ڈاکٹر سیڈ کا بیان ہمارے اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ موجودہ سائنسی ماحول میں ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں--- نسل انسانی کو بہتر بنانے کے تصور کو' عملی جامہ پہنانے کا کام' ہو کر رہے گا۔ جب بھی لوگوں کو ان کے بچوں کو بہتر بنانے کی دعوت دی جائے گی وہ بخوشی اسے قبول کریں گے۔ بہتر بنانے کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ان کے بچوں کی صحت کو' بایو ٹکنالوجی تکنیک سے' بہتر بنا دیا جائے۔ ان کی صحت اور صلاحیت کار کو بڑھا دیا جائے۔ ان کو خوش مزاج بنا دیا جائے۔ ان کے دل کو اتنا مضبوط بنا دیا جائے

کہ وہ کبھی دل کی بیماری میں مبتلا نہ ہو سکیں۔ سرطان کو، بچے کی زندگی سے، ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے۔ ان کی ذہانت کو بڑھا دیا جائے۔ ایک کھلاڑی میں اتنی قوت پیدا کر دی جائے کہ وہ کامیاب ترین کھلاڑی بن جائے۔ ہر ماں باپ کی یہ خواہش ہو گی کہ ان کا بچہ ہر بیماری سے محفوظ رہے، طویل عمر پائے، کامیاب اور خوش مزاج ہو، ذہانت میں سب سے آگے اور صلاحیتوں کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہو۔ اس ٹکنالوجی کو قانون کے ذریعے روکا تو جا سکتا ہے لیکن اسے ہمیشہ کے لیے دبا کر رکھنا ممکن نہیں ہو گا۔ اسقاط حمل کا قانون تو موجود ہے لیکن اس کے باوجود یہ کام ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ آنے والے زمانے میں ہزاروں لاکھوں افراد، نسل انسانی کو بہتر بنانے کے عمل کو قانوناً روکنے پر احتجاج کریں گے۔ اسے ناانصافی اور ریاستی جبر قرار دیں گے اور وہ کریں گے جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔

حیاتیاتی سائنس کی ترقی سے، اکیسویں صدی میں، پرانے مذہبی، سماجی، تہذیبی، طبی، قانونی اداروں اور اس خواہش میں کہ ان کے بچے بہترین صلاحیتوں سے ہم کنار ہوں، تصادم اور آویزش کا عمل شروع ہو گا۔ پرانے ادارے اس خواہش کے پر قینچ کریں گے [پر کاٹنا] لیکن یہ سلسلہ اس لیے نہیں رک سکے گا کہ انسانی خواہشات کے، ہمیشہ کے لیے پر کاٹ دینا ممکن نہیں ہوتا۔

پھر کیا ہو گا؟ کوئی پیش گوئی کرنا تو مشکل ہے لیکن وہ حکایت تو سنائی ہی جا سکتی ہے جو تذکرہ غوثیہ میں آئی ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک دوست تھا، مگر نادان۔ اس نے حضرت سے درخواست کی کہ مجھے "اسم اعظم" سکھا دیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا اور سمجھایا کہ تو اس قابل نہیں ہے لیکن وہ نہ مانا اور اصرار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے "اسم اعظم" سکھا کر امتحان بھی کرا دیا لیکن اسے منع بھی فرمایا کہ آیندہ اسے کام میں نہ لانا ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ یہ فرما کر وہ روانہ ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد اس شخص کے دل میں آیا کہ بھلا دیکھوں تو "اسم اعظم" اب بھی تاثیر کرتا ہے یا نہیں۔ کچھ فاصلے پر اسے ہڈیاں نظر آئیں۔ اس نے "اسم اعظم" پڑھا۔ فوراً ایک خونخوار شیر زندہ ہو کر غرایا اور اس کو پھاڑ کھایا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے تو دیکھا کہ وہ مرا ہوا پڑا ہے اور شیر اسے کھا رہا ہے۔ انھوں نے شیر سے پوچھا کہ: "تو نے اسے کیوں مارا، اس نے تو تجھے زندہ کیا تھا؟" شیر نے جواب دیا: "بے شک یہ شخص میرا خالق تھا مگر اس نے میرے رزق کی فکر نہ کی۔ اس لیے میں نے اسے کھا لیا...!"

صاحبو! یہی صورت سائنس کے ساتھ ہو گی۔ اگر اس نے غریبوں (لوگ اور ملک) کی فکر نہ کی تو سائنس کا شیر ساری انسانیت کو پھاڑ کھائے گا۔



سعادت

عُمرہ



سعودی عرب میں پندرہ روز قیام کا مکمل پیکج ٹکٹ مع ویزا

- ایئر کنڈیشنڈ ٹرانسپورٹ' ایئر کنڈیشنڈ رہائش
- حرم سے چند قدم کے فاصلے پر
- حج کے لیے بھی مکمل معلومات و انتظام

روانگی گروپ

16 جون	23 جولائی
30 اگست	17 ستمبر
7 اکتوبر	27 نومبر
5 دسمبر	15 رمضان المبارک

تحریکی ساتھیوں کا ادارہ

الجبری گروپ

[illegible]

494-Shadman Colony 1, Lahore.
Ph: 7577835, Mobile [redacted] 7315460, Fax: 7550540

بذریعہ ڈاک منگوائی جا سکتی ہیں

سمع و بصر کی نئی پیش کش

- صبر' طاقت کا خزانہ — خرم مرادؒ
- ٹی وی کلچر کا راستہ روکنے کی تدابیر — سید منور حسن
- تعمیر انسان — پروفیسر محمد اسلم صدیقی
- جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ — اظہار الحق

- لاہور : سمع و بصر' علی ہائٹس' 9- کمرشل زون' کریم بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' فون : 5411546
- کراچی : دی بک ڈسٹری بیوٹرز' فون : 7787137

مفت کا شریک

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ

مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۴)

جو شخص مال کمانے اور اس کو خرچ کرنے میں
شیطان کے اشاروں پر چلتا ہے'
اس کے ساتھ گویا شیطان مفت کا شریک بنا ہوا ہے۔

محنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں'
جرم اور گناہ اور غلط کاری کے برے نتائج میں وہ حصہ دار نہیں'
مگر اس کے اشاروں پر یہ بے وقوف اس طرح چل رہا ہے
جیسے اس کے کاروبار میں وہ برابر کا شریک بلکہ شریک غالب ہے۔

اسی طرح اولاد تو آدمی کی اپنی ہوتی ہے'
اور اسے پالنے پوسنے میں سارے پاپڑ آدمی خود بیلتا ہے'
مگر شیطان کے اشاروں پر
وہ اس اولاد کو گمراہی اور بد اخلاقی کی تربیت اس طرح دیتا ہے'
گویا اس اولاد کا تنہا وہی باپ نہیں ہے
بلکہ شیطان بھی باپ ہونے میں اس کا شریک ہے۔

(تفہیم القرآن' ج ۲'ص ۶۲۹)

(بندہ خدا)

نئے سوڈانی دستور کا ایک مطالعہ

سید حامد عبدالرحمٰن الکاف ○

سوڈان، مسلم اکثریت کا ایک ایسا ملک ہے، جو مختلف اسباب کی بنا پر دنیا میں بہت سی حکومتوں اور جماعتوں کی دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اسلامی تحریکیں اور اسلام پسند مسلم ممالک اس کو ایک ایسی نئی تجربہ گاہ کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں جو ایرانی تجربے سے کچھ مختلف ہے لیکن امریکہ کی سوڈان اور سوڈانی نظام سے دشمنی، ان دونوں تجربوں کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ جہاں ایران اثنا عشری فقہ کی بیسویں صدی کی آخری چوتھائی کی تجربہ گاہ تھا اور ہے وہیں سوڈان سنی فقہ کا ایک ایسا تجربہ ہے جس میں مسیحی اقلیت (جنوبی سوڈان میں) کے علاوہ بت پرست قبائل بھی پائے جاتے ہیں۔

امریکہ و یورپ اور سوڈان کے جنوب میں واقع مسیحی حکومتیں (یوگنڈا، ایتھوپیا، اریٹیریا) علی الاعلان سوڈان کے اسلامی رجحانات کے خلاف ہیں اور ۳۰، ۳۵ برسوں سے جنوبی سوڈان کی مسیحی اقلیت کو فوجی، مالی اور سیاسی مدد کے ذریعے سوڈانی قوم کے خلاف برسرپیکار کر رکھا ہے۔

اب رہے سیکولر نواز اسلام دشمن شمال اور مغرب میں واقع مصر، لیبیا اور چاڈ، تو ان میں مصر علی الاعلان سوڈان کے موجودہ نظام کے خلاف ہے مگر لیبیا امریکہ دشمنی کی وجہ سے کچھ کچھ دوستی کا اظہار کرتا رہتا ہے، جب کہ چاڈ بالکل خاموش ہے۔

اس متلاطم سمندر میں لیفٹیننٹ جنرل حسن البشیر کی فوجی قیادت اور ڈاکٹر حسن ترابی کی فکری رہنمائی میں برپا شدہ اس انقلاب نے آخرکار ۱۹۹۸ میں ریاست بحیثیت ادارہ کی طرف حرکت کرنے کا فیصلہ کیا جو ایک مسودۂ دستور پر استصواب رائے عامہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ استصواب ۹ سے ۱۵ مئی ۱۹۹۸ منعقد ہوا۔ سات روز کی مدت، سوڈان کی وسعت، ذرائع نقل و حرکت کی کمی اور بیرون سوڈان بھی سوڈانیوں کو حق اظہار رائے کے دیے جانے کی وجہ سے ضروری تھی۔ اس استصواب میں سوڈانی باشندوں

○ معروف اسکالر، دانش ور

نے بھاری اکثریت سے مسودہ دستور کو منظور کر کے اس کو دستوری اور قانونی حیثیت سے نواز دیا۔

میرے سامنے دستور کا وہ مسودہ ہے جس کو صنعا کے سوڈانی سفارت خانے نے مئی ۱۹۹۸ میں شائع کیا۔ یہ بڑے سائز کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۴۰ دفعات ہیں جن کو نو ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

آغاز اور بنیادی دفعات: پہلے صفحے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ایک تمہیدی عبارت ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ کے نام سے، جو انسان اور قوموں کا خالق ہے اور زندگی بخشنے والا، آزادی عطا کرنے والا اور معاشروں کے لیے ہدایت کی قانونی شکل میں صورت گری کرنے والا ہے۔ ہم، سوڈانی قوم نے اللہ کی توفیق سے، تاریخ کے عبرت ناک دروس سے، اور ہر بار نئی تازگی حاصل کرنے والے انقلاب کی آگے بڑھانے والی قوت سے، اپنی زندگیوں کے لیے یہ دستور، عوامی زندگی کے لیے ایک نظام حیات کی حیثیت سے تیار کیا ہے جس کے احترام اور حفاظت کا ہم عہد کرتے ہیں اور اللہ سے مدد کی دعا کرتے ہیں۔

دفعہ (۱) باب اول میں، ریاست اور اس کی رہنمائی کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ پہلی دفعہ میں سوڈانی ریاست کو ایک ایسا وطن قرار دیا گیا ہے جس میں مختلف نسلیں یعنی عربی اور افریقی نسلیں اور ثقافتیں (عربی، اسلامی، افریقی اور مغربی) جمع ہیں۔ اسلام آبادی کی اکثریت کا دین ہے، لیکن مسیحیت اور دیگر نسلی (افریقی) عقائد کے ماننے والوں کو قانون عام کے دائرے میں اپنے شخصی و دینی معاملات کو انجام دینے کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔

اب دوسری دفعہ کی طرف آیئے۔ اس میں سوڈان کے بہت ہی وسیع و عریض ملک ہونے کے باوجود، سیاسی حقوق اور واجبات، مالی حقوق اور واجبات (ٹیکس) اور قومی دولت کی تقسیم کو لامرکزی بنیاد پر، مرکزی حکومت اور علاقائی حکومتوں (ولایات) میں بانٹ دیا گیا ہے تاکہ مرکز کی اجارہ داری کی وجہ سے علاقائیت کا شیطان اپنے سینگ نہ اٹھا سکے۔ یہ ایک انقلابی اقدام ہے۔

دفعہ ۳ میں، عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے لیکن دیگر مقامی زبانوں کو ترقی دینے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح ملکی ضروریات کا بحیثیت مجموعی لحاظ کرتے ہوئے مقامی امنگوں کا بھی پاس رکھا گیا ہے۔ یہ لسانی تعصبات کے خاتمے کا اعلان ثابت ہو گا۔

دفعہ ۴ میں، ایک نیا پن اور ندرت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں حاکمیت (حکم صادر کرنے کا حق / حلال حرام قرار دینے کا حق) اور سیادت (بالادستی) میں حد فاصل پیدا کی گئی ہے۔ جہاں حاکمیت کو خلق کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا گیا ہے (الحاکمیة فی الدولة للّٰہ خالق البشر) وہیں اس حقیقت کے اعتبار سے کہ اس کو عمل کا جامہ بندے ہی پہناتے ہیں، بالادستی کو عوام کے دائرہ کار میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ خالق

اور بشر میں حقوق کی تقسیم اور قانون سازی کے حق کو ثابت کرنے کی ایک بڑی خوب صورت اور کامیاب کوشش ہے جس پر سوڈان کے اسلامی مفکرین قابل مبارک باد قرار پاتے ہیں۔

دفعہ ۸ : قومی معیشت : اس دفعہ میں جہاں عمل پیداوار اور کھلی منڈی کی بنیاد پر قائم معیشت کی بشارت دی گئی ہے وہیں ان مالی اور اقتصادی آفتوں کی بیخ کنی بھی کی گئی ہے جن کا خاتمہ اسلامی عدل اجتماعی اور تقسیم دولت کے بنیادی اہداف حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ اس وجہ سے عمل پیداوار اور کھلی منڈی ہی کو آلات بنایا تاکہ سود خوری' ذخیرہ اندوزی اور دھوکا بازی کا' جس میں ملاوٹ اور کم تولنا و ناپنا وغیرہ بھی شامل ہیں' قلع قمع کیا جا سکے۔

اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک مقصد یہ ہے کہ قومی سطح پر' حد امکان تک' خود کفالت حاصل کی جا سکے خصوصاً غذائی اور دیگر بنیادی ضروریات کے میدانوں میں۔

ان الفاظ کے ذریعے --- کاش اس پر پورے شعور کے ساتھ اور مضبوط منصوبہ بندی کے ساتھ عمل ہو--- سوڈان کی قیادت نے اپنے گہرے سیاسی' اقتصادی اور بین الاقوامی شعور کا ثبوت مہیا کیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سود سے نجات حاصل کرنا' ذخیرہ اندوزی سے جنگ کرنا اور دھوکا دہی کو مذموم قرار دینا اور خود کفالت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا دراصل برکت کے حصول اور پیداوار میں ضرورت سے زیادہ فراوانی کے حصول کے مختلف وسائل ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جن چیزوں سے اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے اگر ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تو رب کائنات کی رحمت اور برکت ہی نازل ہو گی اور پیداوار میں مادی اور معنوی اعتبار سے اضافہ ہی ہو گا۔

ان سارے اقدامات کا ایک اور اعلیٰ مقصد' سوڈان کے مختلف صوبوں میں طبقات اور افراد کے درمیان دولت کی منصفانہ تقسیم ہے تاکہ مختلف صوبوں کو محرومی اور ناانصافی کے جذبات سے نجات دلائی جا سکے۔ یقیناً یہ اقدامات علیحدگی پسندی کے رجحان کا قلع قمع کرنے میں اہم حصہ ادا کریں گے۔ ان شاء اللہ!

دفعہ ۹ : قدرتی وسائل : جیسا کہ تیسری دنیا کے اکثر بلکہ تقریباً سارے ہی ممالک کا حال یہ ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی سرمایہ کاری کے وسائل سے محروم ہیں' یا ابھی اس درجے تک نہیں پہنچ سکے ہیں کہ ملک کی مالی اور اقتصادی ترقی کے حوالے سے ان پر اعتماد کیا جا سکے۔ اس لیے سوڈانی رہنماؤں نے ایک حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا کہ قدرتی وسائل و ذرائع' جیسے معدنیات' پانی' جنگلات وغیرہ جو سمندر یا خشکی میں پائے جاتے ہیں وہ عوامی دولت تصور کیے جائیں گے اور ان کو منصوبہ بندی کے ذریعے ترقی دی جائے گی۔

دفعہ ۱۰ : زکوٰۃ اور دوسرے مالی واجبات : شاید پہلی بار کسی مسلم ملک کے دستور میں' توازن کے ساتھ' تحریم ربا و احتکار کے پہلو بہ پہلو زکوٰۃ کا ذکر اس اعتبار سے آیا ہے کہ سود کو روکنا اور زکوٰۃ کو

وصول کرنا' دونوں حکومت کا فرض ہیں۔

اوقاف اور صدقات' جس میں صدقہ فطر سرفہرست ہے' کی تنظیم اور تقسیم کو حکومت کے کاموں کا جز قرار دیا گیا ہے۔ ان کو صحیح انداز میں چلانے سے بہت سے مالی اور اقتصادی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں خصوصاً اوقاف کی زمینوں' جایدادوں اور دیگر آمدنیوں کے مناسب استعمال سے مطلوبہ شرعی مقاصد بڑی حد تک حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

دفعہ ۱۱ : عدل اجتماعی: عدل اجتماعی کو حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل کر کے اس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر شہری کو عزت کی روٹی حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب طبقاتی ناہمواریوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے تاکہ آمدنیوں کے درمیان فرق کو کم کیا جاسکے اور ان فتنوں اور فساد کے دروازوں کو بند کیا جاسکے جو اس اونچ نیچ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یہاں سوڈانی قائدین نے بوڑھوں اور معذوروں کو نہ بھول کر بہت اچھا کیا ہے۔

دفعہ ۱۲ : علوم و فنون اور ثقافت: بڑی خوشی کی بات ہے کہ جہاں علوم و فنون کو پوری قوت سے آگے بڑھانے اور علمی اور تجرباتی امور کی سرپرستی کرنے کا عہد و پیمان کیا گیا ہے وہیں ان کو دینی اقدار کا پابند' تقویٰ کے حصول کا ذریعہ اور عمل صالح کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ علوم و فنون جب ان قیود سے آزاد ہو کر صرف مادی منافع کا ذریعہ قرار پاتے ہیں تو وہ فحاشی اور عریانی اور ترقی یافتہ ہتھیاروں کے ذریعے قوموں کو بلاوجہ تباہ کرنے اور غلام بنانے کے آلات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

دفعہ ۱۳ : صحت عامہ اور ماحول کی ستھرائی: دستور میں صحت عامہ اور اس کے وسائل کا ذکر کوئی نئی بات نہیں' لیکن ماحول کو آلودگی سے پاک کرنا اور وہ بھی آنے والی نسلوں کی خاطر' ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اگر اس پر اچھی طرح سے عمل ہو گیا تو سوڈان بہت سے صنعتی مسائل اور ان کے خوف ناک نتائج سے محفوظ رہ سکے گا۔

دفعہ ۱۴ : نئی نسل: نوجوانوں کو جسمانی' روحانی اور اخلاقی امراض سے بچانا اور ان کو بچپن ہی سے صحیح دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے ان خطرات سے آگاہ کرنا بڑی حکمت کی بات ہے۔ لیکن تربیت کے ان پہلوؤں کے پہلو بہ پہلو ایک طرف ملک کے دفاع اور صنعتی و زرعی اور علمی و اقتصادی ترقی' اور دوسری طرف نصاب تعلیم میں مناسب تبدیلیوں کے ذریعے باہمی ربط پیدا کیا جائے تو بہت اچھا ہو گا تاکہ خیرامت کا وہ صحیح مفہوم عملاً ظاہر ہو سکے جس کے فقدان کی وجہ سے آج ہم اپنے آپ کو اس جگہ پاتے ہیں جہاں ہم ہیں۔

دفعہ ۱۵ : خاندان اور عورت : اسلامی معاشرے میں خواتین کے مقام کے ادراک، اور مغرب میں اباحیت زدہ معاشرے، نکاح اور خاندانی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لینے کے رجحان اور اس کے اثرات کی وجہ سے سوڈانی قیادت نے خاندان کی نگہداشت اور نکاح کی ہمت افزائی کا فیصلہ کیا تاکہ صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعے ایک طرف عورت کو ماں کی حیثیت سے صحیح درجہ اور مقام عطا کیا جا سکے اور دوسری طرف اس کے حقوق کی گھر کے اندر اور گھر سے باہر، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، حفاظت کی جا سکے۔ خیال رہے کہ افریقی معاشروں میں عورت ہر قسم کے ظلم کا نشانہ محض اس لیے بنائی جاتی ہے کہ وہ عورت ہے۔ سوڈانی معاشرہ بھی عورت پر ظلم کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ حکمت اور اعتدال کے ساتھ عورت، مرد، بچوں اور خاندان کے نازک مسائل کا ایسا حل تلاش کیا جائے جو اکیسویں صدی میں قابل عمل ہونے کے علاوہ ان منفی نتائج سے دور ہو جن کو اسلام سخت ناپسند کرتا ہے۔

آج کل کے اجتماعی رفاہی اخراجات کے پیش نظر کسی بھی ملک اور معاشرے کی مجموعی قومی پیداوار کا زیادہ ہونا ضروری ہے، اس لیے اسلامی معاشروں کو، حدود اسلامی میں رہتے ہوئے، ان وسائل و ذرائع کو کام میں لانا ہے جن کے ذریعے عورتیں ملک کی معاشی سرگرمیوں میں ایک مثبت عنصر کی حیثیت سے حصہ لے سکیں۔ کیونکہ نصف یا نصف سے کچھ زیادہ یا کچھ کم آبادی کا پیداواری عنصر کے بجائے صارفی عنصر بنا رہنا مناسب نہیں ہے۔ یہ بات خیرامت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بہت کم مسلم دانش وروں کے ذہنوں میں آئی ہے۔ اس کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

دفعہ ۱۶ : معاشرتی اخلاق : نظریات اور اقدار کا معاشرتی اخلاق سے گہرا تعلق ہے۔ اگر معاشرہ صاف ستھرے نظریات، افکار و آرا کی فضا مہیا کرتا ہے تو اس میں پلنے اور بڑھنے والی نسلیں چھوٹے بڑے جرائم سے دور اور اخلاق فاضلہ سے قریب تر ہوں گی اور اس معاشرے میں سنگین جرائم، مثلاً قتل، ڈاکا زنی، زنا اور منظم جرائم، شراب خوری، گانجا، افیون اور دیگر منشیات سے پیدا ہونے والے جرائم ناپید نہ سہی تو بہت کم ہوں گے اور بحیثیت مجموعی جرائم کی فی صدی نسبت کم ہو گی۔ یہ سب کچھ دباؤ کے ذریعے کم لیکن تقویٰ کی بنیاد پر ہونے لگے تو دیرپا ہو سکتا ہے۔ اس کو تعلیم و تربیت و تذکیر، منکرات کے خلاف جنگ اور معروف عادات اور رسم و رواج کو پروان چڑھا کر کیا جا سکتا ہے۔

دفعہ ۱۷ : خارجی ریاست : خارجہ پالیسی کو عزت اور آزادی کی علامت قرار دیا گیا ہے مگر یہ محض نعرہ بن کر رہ جائے گا اگر قوم عسکری و اقتصادی لحاظ سے حقیقی معنی میں آزاد نہ ہو، یا پھر ایسے آزاد ملکوں کے ساتھ معاہدوں میں شریک نہ ہو جو ایک اعلیٰ تر اور قوی تر مقصد کے لیے کسی جھنڈے تلے جمع ہوئے ہوں۔ لہٰذا مختلف ملکوں اور ثقافتوں کے لیے دروازے کھولنا اور اپنے لیے بند دروازے کھلوانا، خارجہ پالیسی

کا نہایت اہم رکن بن جاتا ہے تاکہ سوڈان اسلام کے اعلیٰ ترین انسانی فلاحی اصولوں کو دوسرے ملکوں تک پہنچا سکے اور ان سے وہی کچھ لے جن کو "ثقافت انسانی" قرار دیا جا سکتا ہو اور وہ انسانیت کی "مشترکہ میراث" تصور کی جا سکتی ہو۔

دفعہ ۱۸ : دین داری : سوڈانی دستور میں امور دنیا کو طاعت اللہ و طاعت رسولؐ اللہ کے ذریعے عبادت میں بدل دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حکومت میں کام کرنے والے نہ صرف مسلمان ملازمین بلکہ غیر مسلم ملازمین بھی، عوام کی خدمت روح عبادت سے انجام دیں گے۔ فرائض کو دیانت داری سے ادا کیا جائے اور عوام کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھا جائے تو یہ سب کچھ رضائے الٰہی کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر کوئی ملازم سرکار کسی بھوکے کے لیے روٹی، کپڑا، مکان، دوا، علاج مہیا کرنے کا، رشوت لیے بغیر اور اس کو ستائے بغیر، سبب بنتا ہے تو یقیناً وہ رضائے الٰہی اور ثواب الٰہی کا مستحق قرار پائے گا۔ اس لیے عوام کی خدمت کو عبادت قرار دیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے ضمیر کی روشنی میں فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکے۔

دستور کے دوسرے باب میں حقوق و فرائض کو بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ ۲۰ اور دفعہ ۳۳ تک جو آزادیاں، حقوق اور فرائض بیان کیے گئے ہیں وہ سارے عالم میں معروف وہ حقائق ہیں جن کو سب ہی دساتیر میں بیان کیا گیا ہے مگر ان پر عمل نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ ان حقوق و فرائض وغیرہ کی فہرست یہ ہے: (۱) زندگی کا حق اور زندگی کی حرمت، (۲) آزادی اور حقوق میں برابری، (۳) وطنی قومیت کی حرمت، (۴) نقل و حرکت کی آزادی، (۵) عقیدے اور عبادت کی آزادی، (۶) فکر اور تعبیر رائے کی آزادی، (۷) سیاسی، ثقافتی، اجتماعی، پیشہ ورانہ تنظیم کی آزادی، (۸) ثقافتی امتیاز کی حفاظت اور آزادی، (۹) فکری، مادی اور مالی ملکیت کی آزادی اور ان کا احترام، (۱۰) مراسلت کرنے اور روابط قائم کرنے کی آزادی، (۱۱) گرفتاری سے بچنے کی آزادی اور حرمت، (۱۲) عدالت سے رجوع کرنے کا حق اور آزادی، (۱۳) ثبوت جرم تک برأت کا حق، (۱۴) قتل نہ کیے جانے کا حق الا یہ کہ جرم ہر طرح ثابت ہو جائے، (۱۵) شکایت کرنے اور بات پہنچانے کا حق۔

یہاں سوال ان حسین الفاظ کو کاغذ پر درج کرنے کا نہیں ہے بلکہ ان پر عملاً گامزن ہونے کا ہے۔ تیسری دنیا سے تعلق رکھنے کے ناطے سوڈانی معاشرے میں حقوق کا شعور قوی تر اور فرائض کا شعور کمزور ہے۔ شعور پیدا کرتے ہوئے حکمت اور صبر کے ساتھ ان حقوق کو عملی دنیا میں وجود بخشنے کی ضرورت ہے۔ بے عملی اچھے کام کو بھی بے قیمت بنا دیتی ہے۔

فرائض: حقوق و فرائض ایک ہی مسئلے کے دو رخ ہیں۔ اس لیے حقوق کے بعد فرائض کا ذکر ناگزیر

تھا۔ ان کو دوسری فصل میں "عام فرائض اور ان کی نگہداشت" کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ یہ پیراگراف ۳۵ اور ۳۷ میں درج ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) سوڈانی جمہوریت کے ساتھ وفاداری' (۲) وطن کے دفاع اور جہاد کی پکار پر لبیک کہنا اور قومی فوجی خدمت انجام دینا' (۳) دستور اور قانون کا احترام اور ان کے احکام کی پابندی' (۴) عوامی جایدادوں کی حفاظت اور تخریب سے پرہیز' (۵) صحیح رائے تک پہنچنے کی کوشش' مصلحت عامہ کے ساتھ اخلاص (۶) امربالمعروف ونہی عن المنکر کو انجام دینا' (۷) معاشرے کے حرمات اور مصلحت عامہ کی حفاظت اور صاف ستھرے ماحول' اچھے اخلاق اور عدل کی نگرانی' (۸) رزق حلال کی کوشش کرنا' اچھے کاموں میں ہاتھ بٹانا' (۹) اپنے حقوق کو عملاً حاصل کرنا تاکہ عوامی جدوجہد کو صحیح راہ پر ڈالا جا سکے اور حکومت اور معاشرے کی قیادتوں کا انتخاب کرنا۔

ہم صرف نمبر(۵) اور نمبر(۷) کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ دوسری شقیں عموماً دساتیر میں ہوتی ہیں۔

جہاں تک رائے تک پہنچنے میں کوشش اور مصلحت عامہ کے لیے اخلاص کا تعلق ہے تو یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ صحیح اور مخلصانہ رائے کی کوشش اسی وقت ہو گی جب مصلحت عامہ کے لیے دل میں درد ہو۔

اہم بات یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد' شاید پہلی بار امت کے ہر فرد سے اجتہاد رائے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے تاکہ ہر شخص اپنے دل و دماغ کو سوچ بچار کی کوششوں میں لگا کر بحیثیت امت بہتر سے بہتر رائے تک پہنچنے کی اجتماعی کوشش میں حصہ لے سکے تاکہ زندگی کے ہر میدان میں مفید ترین اور سب سے زیادہ قابل عمل افکار و آرا تک پہنچا جا سکے۔ جہاں شوریٰ سارے عوام کا حق ہے تو اجتہاد رائے بھی عوام کا قانونی حق ہے۔ اس طرح غور و فکر اور سوچ بچار کی صلاحیتیں اجاگر ہو کر امت کے لیے خیر کا باعث ہوں گی۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ عوامی سطح سے اٹھ کر جب یہی آرا ہر میدان کے ماہرین تک پہنچیں گی تو ان کو چھان پھٹک کر صرف ان کے مفید ترین اور قابل عمل عناصر کو اختیار کیا جائے گا۔

اس امت کے ہر میدان میں شکست کھانے کا سبب فکری استبداد تھا اور ہے۔ اس نے فکری سوتوں کو بالکل ہی خشک کر دیا۔ یہ امت فکری اعتبار سے خصوصاً تخلیقی صلاحیت اور اپج کے میدان میں بالکل ہی بانجھ ہو گئی۔ یہ بڑا مبارک قدم ہے اور اس کو سارے عالم اسلامی میں عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

شق نمبر(۷) جو کمائی پر اور قومی پیداوار میں حصہ لینے پر ابھارتی ہے' اہمیت میں شق نمبر(۵) سے کم نہیں ہے۔ فقر اور فقیرانہ طرز زندگی کو سنیاسیوں کے اثرات کے تحت حسین اور مطلوب اعمال قرار دے کر اس امت کے افراد کو عمل پیداوار کی اہمیت سے غافل کیا گیا ہے کجا کہ اجتماعی پیداوار اور قومی پیداوار

کے تصورات کے شعور کو گہرا کیا جاتا اور اجتماعی جدوجہد' تفکر اور عمل کو عام اور خاص زندگیوں میں رائج کیا جاتا۔ اس کا انجام وہ فکری' عملی اور پیداواری زوال ہے جس نے اس امت کو ہر میدان میں قرض لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ افکار و آرا' ایجادات اور تنظیمی اصول بھی دوسروں کے اور نصاب تعلیم اور راس المال بھی دوسروں کا۔ ہر میدان میں افلاس ہی افلاس اور قرض ہی قرض' پھر خیر کہاں سے نمودار ہو گا؟

پہلی بار اس کو انفرادی ذمہ داری قرار دے کر اور اس کو قومی پیداوار سے منسلک کر کے سوڈان نے ایک بڑا مفید قدم اٹھایا ہے جس کو اپنانے کی سارے عالم اسلامی کو ضرورت ہے۔

یہ گفتگو تشنہ رہ جائے گی اگر ہم ان "دائمی اساسی اصولوں" (ثوابت السیاسیة) کا ذکر نہ کریں جو اس مسودۂ دستور کے ص ۳۹ پر بیان کیے گئے ہیں۔ یہ اصول یہ ہیں: شریعت' استصواب رائے عامہ' دستور اور عرف۔ یہ چار قانون سازی کے مآخذ ہیں یعنی اس سے قانون بنانے کے سوتے پھوٹتے ہیں (مصادر التشریع)۔

یہ مقام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم یہاں کچھ دیر ٹھہر کر اور ان امور پر غور و فکر کے بعد آگے بڑھیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دفعہ میں ایک ناقابل تغیر حقیقت جس کو ہم شریعت کے نام سے یاد کرتے ہیں' اس کے ساتھ ساتھ اور اس کے حدود میں رہ کر یعنی اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام اور معروف کو معروف اور منکر کو منکر برقرار رکھتے ہوئے' قوم اگر کسی قانون کو منظور کر دے' جیسے جنوبی سوڈان کو آزادی دی جانا چاہیے یا اس کو سوڈان کا جز باقی رکھتے ہوئے اندرونی خود مختاری سے نوازا جانا چاہیے؟ تو ایسی صورت میں ان دونوں میں سے وہی قانون تصور ہو گا جس کو سوڈانی قوم اختیار کرے اور یہ جائز بھی ہو گا۔ کیونکہ یہ ایک ایسے مسئلے کا حل ہے جس کے بارے میں شریعت بالکل خاموش ہے۔ گویا شریعت نے اس معاملے کو قوم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

یہی کچھ "دستور" کے بارے میں صحیح ہے اور "عرف" یعنی مقامی روایات اور عادات جو شریعت کے اصول اور مقاصد سے نہ ٹکراتے ہوں یا اس کی تنفیذ میں روڑے نہ اٹکاتے ہوں' کے بارے میں بھی اتنا ہی صحیح ہے۔ ایسی دستوری سفارشات اور اعراف و عادات بھی قانون سازی کا مآخذ مانے جا سکتے ہیں۔

گویا اس دفعہ میں استصواب رائے عامہ' دستور اور عرف کا شریعت کے پہلو بہ پہلو اضافہ کیا گیا ہے جو اس شریعت سے ماخوذ اور اس پر مبنی قوانین کو شریعت ہی کی حدود میں' آسان اور قابل عمل بنانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس نص میں بڑی عملیت' حقیقت پسندی اور لچک ہے اور زندگی کی حرکت کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلنے کی ہمت و جرأت کا اعلان بھی۔ بہتر ہوتا کہ اگر اس کے ساتھ کچھ اس طرح کے الفاظ کا اضافہ کر دیا جاتا کہ استصواب رائے عامہ کے وہ فیصلے' دستوری نصوص اور سفارشات اور عادات و اطوار

ناقابل قبول و عمل ہوں گے جو کتاب و سنت اور شرعی اصول و مبادی سے ٹکراتے ہوں گے۔ یہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کا سبب ہو تا مگر یہ بات معلوم و معروف ہے۔

باقی چھ فرائض جو بیان کیے گئے ہیں' جیسے آزادی رائے' آزادی عقیدہ' وفاقی حکومت اور عدالتی نظام کا آزاد ہونا وغیرہ تو وہ وہی فرائض ہیں جن کا ذکر گذشتہ دفعات میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔

دیگر ابواب اور فصول: اب رہے دستور کے وہ باقی ابواب و فصول جن میں انتظامیہ' عدلیہ اور مقننہ کے بارے میں مفصل دفعہ وار کلام کیا گیا ہے' تو ان پر تحلیلی اور تجزیاتی کلام کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف وہ دیگر دساتیر سے بڑی حد تک مشابہ ہیں اور دوسری طرف ہر دستور کی طرح' مقامی چھاپ لیے ہوئے ہیں اور مقامی حالات کی جو ہمیشہ بدلتے ہی رہتے ہیں' عکاسی کر رہے ہیں۔

عالم اسلام کے فکری رابطے کے لیے ضروری ہے کہ ایسی اہم دستاویزات کا مفصل نہ سہی تو کم از کم مجمل مطالعہ ہی پیش کیا جانا چاہیے تاکہ ان فکری تبدیلیوں کا اندازہ لگایا جا سکے جو مختلف ملکوں کے حالات اور ماحول کے نتیجے میں تحریک اسلامی کے قائدین کے انداز فکر میں واقع ہوتی ہیں۔ اگر ان دستوری دفعات کا پاکستان کی دستوری دفعات سے تقابلی مطالعہ کیا جائے اور اس کے نتائج پیش کیے جائیں تو مزید دستوری آرا اور افکار کو جاننے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ کاش کوئی صاحب علم اس جانب توجہ دیں اور اپنے افکار اور تجزیے سے اسلامی دستوری مباحث میں فکری اضافے کا باعث بنیں۔

اخبار امت

چیچنیا کی موجودہ صورت حال

محمد احمد زبیری ٥

چیچنیا پر روس کے حملے کو تین سال کا عرصہ ہو چلا ہے۔ جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی ذرائع ابلاغ میں چیچنیا کا تذکرہ بھی غائب ہو گیا۔ آگ اور بارود کی جنگ تو ختم ہو چکی ہے لیکن ایک نئی جنگ خاموشی کے ساتھ جاری ہے۔ یہ جنگ چیچنیا کے اندرونی معاملات میں مداخلت اور اس کے گھیراؤ کی صورت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ چیچنیا کی صورت حال کے بارے میں وزیر داخلہ اسلام رحیموف نے کویت کے ہفت روزہ المجتمع کو ایک انٹرویو دیا۔ اس کے کچھ حصے ملاحظہ کیجیے۔

س: جنگ کے خاتمے کے بعد کیا صورت حال ہے؟

ج: ۹ ستمبر ۹۶ء کو جنگ بندی عمل میں آئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک نئی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ تعمیر نو کا کام جنگی بنیادوں پر کیا جانا تھا۔ جنگ نے ہر چیز تباہ کر دی تھی۔ ایک لاکھ ۱۰ ہزار افراد شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد ۱۵ ہزار کے قریب تھی' ان میں تقریباً ۱۴ ہزار بچے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے ساتھ پورا ملک وبائی امراض کی لپیٹ میں آ گیا۔ ان کو ہم "امراض جنگ" کہہ سکتے ہیں۔ سینے کی بیماری شدید صورت اختیار کر گئی۔ تقریباً پانچ ہزار افراد اس میں مبتلا ہوئے۔ یہ وہ تعداد ہے جو ریکارڈ پر موجود ہے۔ دوسری طرف نئے صحت کے مراکز اور ہسپتال قائم کرنا حکومت کے بس کی بات نہیں تھی۔ جنگ نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا۔ تیل صاف کرنے کے کارخانے' آٹے اور چینی کے کارخانے' معدنیات کی ڈھلائی کے کارخانے' سب تباہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ زمین بھی پیداوار کے قابل نہیں رہی۔ ۴۰ ہزار ایکٹر زمین میں بارودی سرنگیں نصب ہیں۔ دشمن نے مدارس' ہسپتال' عمارتیں سب کچھ پیوند خاک کر دیا۔

دشمن کے انخلا کے بعد پوری قوم چٹیل میدان میں پڑی تھی۔ قوم کو زندگی کی از سرنو تعمیر کا چیلنج

---

٥ استاد' مرکز علوم اسلامیہ' منصورہ

درپیش تھا۔ اب تیل کی پیداوار نئے سرے سے شروع ہو چکی ہے۔ گذشتہ برس ایک ملین ٹن تیل نکالا گیا۔ نصف ملین ہم نے برآمد کر دیا اور نصف ملین ملکی ضروریات میں صرف ہوا۔ یہ پیداوار بہت تھوڑی ہے کیونکہ جنگ سے پہلے ۱۱ ملین ٹن برآمد تھی۔ آٹے کا کارخانہ بھی کام کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پیداوار پہلے کی نسبت آدھی ہے۔ اسی طرح چینی کا کارخانہ بھی' ایک لاکھ ۲۰ ہزار ٹن پیداوار دے رہا ہے- اس کے علاوہ زمین کو زراعت کے قابل بنانے کے لیے ہم بڑی تگ و دو کر رہے ہیں تاکہ ہم مسور' چاول' مکئی' تربوز' انگور اور انجیر برآمد کر سکیں۔ زندگی کی بحالی کا معرکہ جاری ہے' ان شاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

س: اس کڑے وقت میں عالم اسلام آپ کے ساتھ کیا تعاون کر رہا ہے؟ روس نے تعمیرنو کے سلسلے میں وعدے کیے تھے ان کا کیا ہوا؟

ج: روس اپنے تمام وعدوں سے پھر گیا ہے۔ عالم اسلام کی بعض رفاہی تنظیموں کی طرف سے ہمیں امداد ملی ہے (حکومتی سطح پر کسی کو توفیق نہیں ہوئی)۔ لیکن ہمیں عالم اسلام سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔ ہمارے اندر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ موجود ہے۔ ہمیں عالم اسلام سے معنوی امداد کی ضرورت ہے' صرف ہمارے لیے دعا کرتے رہیں۔ چیچن قوم یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ جنگ اور بربادی اس کی تاریخ کا جزولاینفک ہے۔ گذشتہ ۴۰۰ سالہ تاریخ اس کی شاہد ہے۔ لیکن ہم استقامت اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا سیکھ چکے ہیں۔ مصائب اور مشکلات ہی قوموں کو زندگی عطا کرتی ہیں!

س: کیا کچھ لوگ یہ نقطۂ نظر بھی رکھتے ہیں کہ اعلان آزادی' جنگ اور بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا؟

ج: ہمارے ہاں اس رائے کی کوئی وقعت نہیں' پورے ملک کی بربادی کے باوجود ہماری قوم فتح اور آزادی پر خوش ہے۔ قوم کے اندر مزید قربانی دینے کا جذبہ اور استعداد موجود ہے۔

س: ملک کے اندر صدر' حکومت اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ کہاں تک جا سکتے ہیں؟

ج: ان اختلافات کو انتہائی مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ روسی ذرائع ابلاغ اس صورت حال کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ملک خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ مغرب اور روس نے چیچن قوم کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا۔ اس کی نفسیات سے آگاہی حاصل نہیں کی۔ یہاں سب لوگ ایک ہی قومیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ چیچنیا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا رقبہ ۱۷ ہزار مربع کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ مجاہدین ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اجتماعی اور انسانی روابط بڑے مضبوط اور گہرے ہیں۔ اگر دو افراد کے درمیان لڑائی ہو جائے' تو باقی صلح

کروانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں' کھانے کی میزیا اجتماعی موقع پر صلح کروا دی جاتی ہے۔

پوری قوم کو اس بات کا احساس ہے کہ کسی وقت بھی روس دوبارہ حملہ کر سکتا ہے۔ یہ بھی قوم کو متحد رکھتا ہے۔ جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ فکری بنیاد پر نہیں ہیں' محض نقطہ نظر کا اختلاف ہے۔

س: چیچنیا میں سیاسی اور فکری قوتیں کون کون سی ہیں؟

ج: جنگ سے پہلے سیاسی قوتیں' قوم پرست' کیمونسٹ اور اسلامی' تین گروہوں میں تقسیم تھیں۔ ۱۹۹۴ میں نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی نے جوہر داؤد کی سربراہی میں جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ نہضت اسلامی اور کیمونسٹ پارٹی اور کچھ دوسری پارٹیاں بھی تھیں جن کی امداد روس سے آتی تھی۔

۱۹۹۴ سے ۱۹۹۶ تک جنگ کے دوران قوم میں اسلامی بیداری کی ایک لہر اٹھی اور لوگ اسلام کی طرف لپک پڑے۔ نئی مساجد کی تعمیر' تحریک اسلامی اور جہادی تحریکیں اس کے مظاہر تھے۔ اس جنگ کا ماٹو "جہاد" تھا' اس کے علاوہ تمام ماٹو اور نعرے غائب ہو گئے۔ چیچنیا کے بام و در جہاد کے نعروں سے گونجنے لگے۔

دستور میں اس بیداری اور اسلام کی طرف رجوع کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دستور کے اندر یہ طے پایا کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اور یہ کہ ملک میں شریعت کا نفاذ ممکن بنایا جائے گا۔ پوری قوم اسلام پر متفق ہے' اختلاف صرف اس پر ہے کہ اس کا نفاذ کیسے ہو؟ اس مسئلے پر وہاں کئی ایک گروہ ہیں۔ ایک گروہ الجماعۃ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ فوری طور پر ملک میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا جائے۔ ملک کی صورت حال اور مصلحتوں کا شکار ہونا درست نہیں۔ بعض صوفیا کے خیال میں چیچنیا میں ان رسوم و رواج کا احیا کیا جائے جو صوفیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہضۃ گروہ کا کہنا ہے کہ ملک کی صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے اور تدریج کے ساتھ ملک میں شریعت نافذ کی جائے۔

مسخادوف کے حامیوں کا کہنا ہے کہ قومی روایات کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔ اس مکتبہ فکر کے پاس کوئی واضح لائحہ عمل نہیں ہے۔ ان کے خیال میں چیچن قوم کی ثقافت اور تہذب ہی اسلام ہے۔ لیکن صدر مسخادوف تدریج کے ساتھ اسلام کے نفاذ کے حامی ہیں۔

س: ان اختلافات کے حوالے سے دنیا کی کیا پالیسی ہے؟

ج: مغرب اور بعض دوسرے ممالک کوشش کر رہے ہیں کہ ان اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ان سب کا مشترکہ منصوبہ ہے کہ چیچنیا استحکام نہ حاصل کر سکے۔ مغرب اور روس اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ چیچنیا پورے قفقاز کی آزادی کا صور پھونک سکتا ہے۔ کیونکہ ایک آزاد چیچنیا' مسلمان گروہوں اور اقلیتوں کے لیے ایک مضبوط سہارا اور قابل تقلید نمونہ ثابت ہو سکتا ہے اور قفقاز بلکہ روس کے اندر کے مسلمان آزادی کے لیے صف آرا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ذرائع ابلاغ مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے میں

مصروف رہتے ہیں اور انھیں چور' ڈاکو' اور دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

ذرائع ابلاغ صرف مجاہدین کو ہی بدنام نہیں کرنا چاہتے بلکہ پوری دنیا کو مجاہدین کے خوف میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ دوسرے ممالک سے تعاون کی اپیل کرتے ہیں تاکہ ایک دفعہ پھر چیچنیا پر حملہ کر کے اس کا قصہ پاک کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ روسی ذرائع ابلاغ' چیچنیا اور عالم اسلام میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے سرگرم ہیں تاکہ عالم اسلام چیچنیا کی امداد نہ کر سکے۔

روس نے ہمارے خلاف اقتصادی جنگ شرع کر رکھی ہے تاکہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو سکیں اور اپنی آزادی کا تحفظ نہ کر سکیں۔

جنگ کے خاتمے کے بعد روس کے ساتھ ۱۰ معاہدے ہوئے ہیں لیکن روس نے ایک پر بھی عمل درآمد نہیں کیا۔ روس نے تعمیرنو کے لیے جو تاوان دینے کا وعدہ کیا تھا ابھی تک اس پر عمل نہیں کیا۔ روس نے اتنی شدید اقتصادی ناکہ بندی کر رکھی ہے کہ ہم ایک سنگترہ بھی درآمد نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ایک خاموش اور سرد جنگ ہے لیکن اللہ کے فضل سے' ہم اس کا مقابلہ ثابت قدمی سے کریں گے۔

س: مغرب کا کیا کردار ہے؟ کیا مغرب براہ راست مداخلت کر رہا ہے؟

ج: جنگ کے آغاز میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے نام پر روس کے خلاف مغرب میں ہمیں حمایت حاصل ہوئی۔ لیکن جب جنگ میں اسلامی رنگ نمایاں ہوا تو صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ جب ہم نے جہاد پر اصرار کیا تو مغرب نے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو بھلا کر' روس کی حمایت شروع کر دی اور روس کو ڈیڑھ ارب ڈالر کی امداد دی تاکہ وہ چیچنیا میں جنگ جاری رکھ سکے۔

اس کے علاوہ روس اور مغرب کی بھرپور کوشش تھی کہ یہ جنگ قفقاز کے دوسرے علاقوں تک نہ پھیلے کیونکہ یہ روس اور مغرب کے مفادات کے خلاف تھا۔ اس لیے مغرب روس کی بھرپور امداد کر رہا ہے تاکہ وہ چیچنیا کے خلاف حصار کو مزید تنگ کر سکے اور اندرونی اختلافات کو ہوا دے سکے۔

س: روس کی اندرونی معاملات میں مداخلت نئی جنگ کا پیش خیمہ بن سکتی ہے؟

ج: اگرچہ قتل و غارت گری رک گئی ہے لیکن جنگ جاری ہے۔ کسی بھی وقت جنگ کے شعلے بھڑک سکتے ہیں لیکن روس اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ چیچنیا پر دوبارہ غاصبانہ قبضہ کر سکے۔ اس کی صرف ایک صورت ہے' خدا نہ کرے ایسا ہو' وہ ہے خانہ جنگی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا ان شاء اللہ! (انٹرویو: شعبان عبدالرحمٰن' ہفت روزہ المجتمع کویت' شمارہ ۱۳۵۸)۔

یاسر عرفات کا حقیقی چہرہ

عبدالرحمٰن سعد

اسرائیل کے لیے کام کرنے والے ایجنٹوں اور جاسوسوں کی کثرت کے باوجود فلسطینی اتھارٹی کی جیلوں میں ایک بھی اسرائیلی قیدی نہیں ہے، جب کہ ۲۲۳ سیاسی قیدی فلسطینی اتھارٹی کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ یہ سیاسی قیدی اپنے علاقے کے معزز اور ہردلعزیز افراد شمار ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی متعین فرد جرم بھی عائد نہیں ہے۔ اس کے باوجود کئی برسوں سے جیلوں میں بند ہیں حتیٰ کہ بعض قیدیوں کے فوری رہائی کے احکامات جاری ہو چکے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کی نوبت شاید ہی آئے۔

ان اسیران کا جرم کیا ہے؟ صرف یہ کہ یہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اور اسرائیل کے خلاف جاری تحریک مزاحمت کے حامی ہیں۔ غزہ کی پٹی میں ان قیدیوں کی تعداد ۱۲۵ ہے، جب کہ غربی پٹی میں ۹۸ کے قریب قیدی ہیں۔ ضمیر کے یہ قیدی "جنید"، "اریحا"، "ورام اللہ"، "جنین" اور "خلیل" کی جیلوں میں بند ہیں۔ یہ قیدی زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علما، اساتذہ، سرکاری ملازمین، کارکن اور تاجر، ہر طبقے کی نمایندگی موجود ہے۔ طویل عرصے کی قیدوبند نے ان کے لیے بے پناہ معاشی اور اقتصادی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ان کے خاندان نان شبینہ کے محتاج ہو گئے ہیں۔ جیل کے اندر صورت حال انتہائی ظالمانہ اور تشویش ناک ہے۔ گذشتہ دنوں درجہ حرارت کی شدت کی وجہ سے کئی زخمیوں کے زخم خراب ہو گئے اور حالت خطرناک ہو گئی۔ بہت سارے قیدی آپریشن کے انتظار میں ہیں لیکن میڈیکل رپورٹوں اور ڈاکٹروں کی ہدایت کے باوجود ابھی تک وہ ہسپتال نہیں جا سکے اور جیلوں میں خطرناک بیماریوں کا سامنا کر رہے ہیں۔

جیل کے اندر قیدیوں پر بے پناہ تشدد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم المقادمہ پر بے انتہا تشدد کیا گیا یہاں تک کہ ان کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور انھیں ہسپتال داخل کرانا پڑا۔ تفتیش کے دوران قیدیوں پر ظلم و ستم کے ہر طرح کے ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر بعض قیدیوں کو چار چار دن تک پانی کے تالاب میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان پر تشدد کیا جاتا ہے جس سے جسمانی اذیت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور انسانی جسم گلنا شروع ہو جاتا ہے۔ داڑھی اور سر کے بال نوچے جاتے ہیں، ڈنڈوں اور لاٹھیوں کے ساتھ مارا پیٹا جاتا ہے اور بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں۔ اس وقت حماس سے تعلق رکھنے والے بہت سے نوجوان ان جیلوں میں ظلم و تشدد کا نشانہ بن رہے ہیں۔

۱۹۹۴ میں فلسطینی اتھارٹی کے قیام سے لے کر نومبر ۱۹۹۸ تک بیسیوں افراد ٹارچر سیلوں میں زندگی سے

ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ سب سے پہلے ۱۹۹۴ میں ایک ہلاکت ہوئی۔ اس کے بعد اگلے سال یہ تعداد چھ تک جا پہنچی۔ ۱۹۹۶ میں چار افراد' جب کہ ۱۹۹۷ میں سات افراد اور ۱۹۹۸ میں دو افراد جام شہادت نوش کر گئے۔ جنوری ۱۹۹۶ سے گذشتہ مئی تک' ۲۴ مرتبہ قیدیوں نے بھوک ہڑتال کی۔ اس کے بعد نابلس کی بلدیہ کے سربراہ نے قیدیوں سے مذاکرات کیے اور قیدیوں کو رہائی کا یقین دلایا جس کے نتیجے میں ۳۶ روزہ ہڑتال ختم ہو گئی۔ کچھ قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی' لیکن پھر یہ سلسلہ روک دیا گیا۔

بہت سے قیدی گذشتہ دو سال سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان پر کوئی فرد جرم بھی عائد نہیں' انھیں اپنا جرم بھی معلوم نہیں' ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ بہت سے قیدیوں کے بارے میں عدالت نے رہائی کا حکم جاری کیا ہے' لیکن اس کے باوجود ان کی رہائی عمل میں نہیں آئی۔ فلسطینی اتھارٹی قیدیوں کی آواز کو دبانے کے لیے انھیں دور دراز کی جیلوں میں بند کر دیتی ہے تاکہ یہ مشترکہ طور پر صدائے احتجاج بلند نہ کر سکیں۔

تحریک اسلامی حماس نے اپنے حالیہ بیان میں کہا ہے: "امت مسلمہ کو تکالیف اور مصائب سے آزمانا اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے۔ طرح طرح کی مشکلات اور ظلم و ستم کا سامنا کرنے کے باوجود جہاد اور مزاحمت کی تحریکیں دب نہ سکیں۔ ہم اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے اگرچہ ہمیں ایک طویل عرصہ انتظار کرنا پڑے"۔ ان شاء اللہ!

لیکن جب یہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والے اپنے ہوں' ایک ہی امت اور ایک ہی وطن سے تعلق رکھنے والے ہوں' تو اس اذیت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے جو ناقابل بیان ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے کئی قیدیوں نے بڑی جرأت کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ ان بے گناہ قیدیوں کو ان کے اہل خانہ اور اولاد سے دور رکھا جا رہا ہے اور معاشرے کے اندر وہ اپنا مطلوبہ کردار بھی ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر یہ افراد معاشرے میں ہوتے تو معاشرے کی خدمت اور رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے۔ انھوں نے اپنا مقدمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دائر کر رکھا ہے اور صرف اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

حقوق انسانی کی تنظیموں اور دیگر رفاہی اداروں کا فرض ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں اور فلسطینی اتھارٹی کے حکام پر دباؤ ڈالیں تاکہ ان بے گناہ افراد کی رہائی عمل میں آسکے۔ مغربی اداروں کو تو یہ کام نہیں کرنا' کسی مسلمانوں کی تنظیم کو اس طرح کے مسائل پر عالمی رائے بیدار کر کے دباؤ ڈالنا چاہیے (ترجمہ: محمد احمد زبیری' ماخوذ: ہفت روزہ المجتمع' کویت' شمارہ ۱۳۵۷)۔

سنیے! کیا آپ سن سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو کان دیے ہیں تاکہ وہ سنے۔ عملاً سننا' بولنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اور اچھی طرح سننا' تو خاصا مشکل کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کی بات اچھی طرح سن کر ہی اپنی بات اِن کو زیادہ اچھی طرح سمجھائی جا سکتی ہے۔جو سنتا ہے اس کو سنا بھی جاتا ہے۔

سننا مشکل اس لیے ہے کہ

☆ ہم خاموش ہوتے ہیں تو اپنے اندر محو ہو جاتے ہیں۔

☆ سنانے والے کا ایک تاثر بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہ تاثر ہر بات کو مخصوص پس منظر میں پیش کرتا ہے۔اس طرح رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

☆ سنانے والے کی بات شور و غل اور رکاوٹوں سے گزرتی ہوئی بعض اوقات نامکمل صورت میں پہنچتی ہے۔

سننے کی صلاحیت کو کوشش کے ذریعہ بہتر بنایا جاسکتا ہے

◎ جب سنیں تو ساتھ ہی ساتھ جلدی میں اور فوراً ہی' اچھے یا برے کا فیصلہ نہ کریں'بلکہ پوری بات مکمل ہونے کے بعد سوچیں

◎ سنتے ہوئے اپنے آپ کو سنانے والے کی جگہ رکھ کر اس کے اندر دلچسپی لیتے ہوئے سنیں

◎ سننے کے بعد' موقع ہو تو سوالات کے ذریعہ وضاحت حاصل کریں۔ اس طرح دوسرا فرد اپنی بات کے اندر ہی آپ کی بات کو پا لے گا۔ آپ کو بات کرنے کی ضرورت کم ہی پیش آئے گی

◎ آپ سنانے والے کی حوصلہ شکنی یا توہین سے پرہیز کریں

◎ پہلے کھلے کانوں کے ساتھ سنیں' جیسے آپ کا ریڈیو' انٹینا کے ذریعہ نشریات پکڑتا ہے۔اس کے بعد جو کچھ آپ سنیں اس کو اپنی زبان میں کہیں

◎ سنانے والوں کی بات میں جذبات بھی ہوتے ہیں' ان کو بات سے الگ رکھیں۔ اسی طرح' سنتے ہوئے اپنے جذبات اُمڈ آنے سے بچائیں

◎ جب آپ بات سن لیں' تو پھر جذبات کو بھی ابھرنے یا ٹھنڈا ہونے کا موقع دیں

سنابل العلم

دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کے انجام کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ اپنے پیش رو غلط کاروں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔

وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانون مکافات صرف دوسروں ہی کے لیے تھا' ان کے لیے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے۔

پھر اپنی کامیابیوں کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں۔ کوئی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے' نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے' اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے۔ بس جو کچھ وہ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی' جو کچھ وہ سنائیں گے اسی کو دنیا سنے گی' اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزاخفش [بیوقوف' ناسمجھ] کی طرح اس پر سر ہلاتی رہے گی۔

یہی برخود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعم خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل لوگوں کو لے بیٹھی ہے' اور اسی کے برے نتائج دیکھنے کے لیے اب بھی کچھ برخود حضرات لپکے چلے جا رہے ہیں (خطاب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اجتماع عام' لاہور' ۱۹۶۳)۔

(خیر خواہ)

شیخ علی طنطاویؒ

حافظ محمد ادریس

عالم اسلام کے مایہ ناز سپوت' ادیب' فقیہہ' محقق' مصنف اور عالم دین شیخ علی طنطاوی ۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۹۹ بروز ہفتہ' جدہ میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون!

شیخ علی طنطاویؒ کا تعلق شام سے تھا۔ وہ ۱۲ جون ۱۹۰۸ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ محمد طنطاویؒ ایک علمی شخصیت تھے' اور ان کے ماموں شیخ محب الدین الخطیبؒ تو عالمی شہرت کے حامل مصنف اور ادیب تھے۔ شیخ طنطاویؒ نے ابتدائی تعلیم کے بعد ادب' لٹریچر اور قانون کے مضامین میں ڈگریاں حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم جامعہ دمشق میں ۱۹۳۵ میں مکمل کی۔ بعدازاں ۱۹۳۶ میں کچھ عرصے کے لیے ایک مدرسے میں بطور استاد کام کیا مگر جلد ہی مزید حصول علم کے لیے انھوں نے مصر' لبنان اور عراق کا رخ کیا۔ دارالعلوم مصر میں وہ سید قطب شہیدؒ کے ہم جماعت اور دوست رہے۔ واپس دمشق آکر شیخ علی طنطاویؒ محکمہ قضا میں خدمات سرانجام دینے لگے۔ وہ دمشق کے معروف ججوں میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۹۶۳ تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔

اس عرصے میں شیخ نے شام کے سیاسی امور اور معاملات میں بھی دلچسپی لی۔ وہ اپنے دور شباب میں تمام استعمار دشمن احتجاجی تحریکوں کے روح رواں رہے۔ شیخ علی طنطاویؒ شعلہ نوا مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے منتظم بھی تھے۔ مشکل وقت میں ان کے ساتھی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انھی کی طرف رجوع کرتے اور وہ مشکل عقدوں کو چٹکیوں میں حل کر دیتے۔ پُرجوش خطابات کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو ابھارنے اور حکمت اور تدبر کے ذریعے انھیں ایک خاص سمت میں لے چلنے کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو عطا فرمایا تھا۔

شیخ طنطاویؒ نے ۱۹۴۷ میں شامی پارلیمنٹ کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے حلقے میں بہت مقبول تھے اور انھیں شکست دینا آسان نہ تھا مگر تمام بااثر طبقات ان کے خلاف متحد ہو گئے اور ان کے بعض قریبی ساتھی بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر ان کے مخالف امیدوار سے جا ملے۔ شیخ طنطاویؒ نے ان تلخ یادوں کو اس

مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے قاری لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور اس واقعے پر اظہار افسوس بھی کرتا ہے۔ مخالف امیدوار کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اس لیے وہ جیت گیا مگر دمشق میں ہر شخص کی زبان پر تھا کہ شیخ ہارے نہیں، ہروائے گئے ہیں۔

شیخ علی طنطاویؒ اخوان المسلمون کی تحریک سے متاثر تھے اور ان کی کھل کر حمایت کیا کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار بعض معاملات میں اپنے تحفظات کا بھی اظہار کرتے تھے۔ مگر وہ اختلافی بات کو بھی اتنے خوب صورت انداز میں پیش کرتے کہ نہ تو کبھی کوئی خفا ہوا اور نہ کسی کے جذبات مجروح ہوئے۔

شیخ طنطاویؒ جس طرح غیر ملکی استعمار کے خلاف جدوجہد کرتے رہے، اسی طرح انھوں نے شام میں قائم ملکی آمریت کے خلاف بھی جہاد جاری رکھا۔ اس کے نتیجے میں وہ حکومت کی نظروں میں کھٹکنے لگے اور ظالم حکمران ان کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ شیخ کے لیے جب اپنے وطن کی سرزمین تنگ ہو گئی تو انھوں نے بادل نخواستہ ۱۹۶۳ میں سعودی عرب کی جانب ہجرت کی اور اپنی باقی ماندہ زندگی جلاوطنی ہی میں گزار دی۔ مگر اس سارے عرصے میں وہ بڑی محبت سے اپنے آبا و اجداد کی سرزمین کو یاد کرتے رہے۔ ان کی تحریروں میں بچپن کی یادوں اور دمشق کے حسین ماحول کا تذکرہ جس حسرت آمیز انداز میں ملتا ہے، اسے پڑھتے ہوئے، شیخ کے دکھ، درد اور احساس محرومی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

شیخ طنطاویؒ کو اللہ تعالیٰ نے وسیع علم کے ساتھ خطابت کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا۔ وہ ایک عمدہ ادیب بھی تھے۔ سنجیدہ دینی تحریروں کے ساتھ انھوں نے ڈرامے، کہانیاں، افسانے اور ناولٹ بھی لکھے ہیں۔ ان کے ہاں ایک پر تاثیر فکر انگیزی کے ساتھ طنز و مزاح کا ایسا شگفتہ انداز بھی ملتا ہے کہ قاری مسکراتا اور بعض اوقات قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شیخ کی یادداشتیں خاصے کی چیز ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب من نفحات الحرم بھی بہت موثر تحریر ہے۔ اس میں بعض جگہوں پر شیخ، جب اللہ کے سامنے اپنے عجز و انکسار کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس رقت آمیز کیفیت میں قاری بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اشکوں سے وضو کرنے لگتا ہے۔

شیخ طنطاویؒ جب سعودی عرب آئے تو اس وقت تک عرب دنیا میں ان کا نام معروف ہو چکا تھا۔ دمشق ریڈیو سے اسلامی، تاریخی اور ادبی موضوعات پر ان کے نشریے پوری عرب دنیا میں بڑے شوق سے سنے جاتے تھے۔ سعودی عرب کے زمانہ قیام میں، ریاض اور مکہ میں، درس و تدریس کے ساتھ انھوں نے مسلسل ۲۵، ۳۰ سال تک ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پروگرام پیش کیے جن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی کوئی پروگرام نشر نہ ہو پاتا تو سعودی عرب اور اس کے باہر ان کے سامعین احتجاج کرتے۔ "مسائل و مشکلات" نامی روزانہ پروگرام میں وہ انسانیت کو درپیش پریشانیوں اور پیچیدگیوں پر رہنمائی دیتے تھے۔ ہفتہ وار پروگرام "نور و ہدایہ" بھی دلچسپ ہوتا۔ ماہ رمضان میں "علی مائدۃ الافطار" کو لوگ پوری فیملی کے

ساتھ اجتماعی طور پر دیکھتے اور سنتے تھے۔ آخری زمانے میں شیخ اپنی بیماری کی وجہ سے نئے پروگرام پیش کرنے سے قاصر ہو گئے تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ان کے پرانے پروگرام ہی بار بار نشر کیے جاتے رہے۔ شاید یہ سلسلہ اب بھی جاری ہو۔

شیخ طنطاویؒ اولاد نرینہ سے محروم رہے مگر ان کی قابل، ہونہار، نیک طینت بیٹیاں تعلیم یافتہ اور اسلامی اخلاق و اقدار کی علم بردار ہیں۔ ایک بیٹی نے تو خصوصاً دعوت و تبلیغ کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ یہ تھیں، محترمہ بنان طنطاویؒ جو مشہور شامی اخوانی رہنما جناب شیخ عصام العطار کی بیوی تھیں۔ یہ میاں بیوی بچوں سمیت شام سے جلاوطن ہو کر کئی سال سے جرمنی میں مقیم تھے اور دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ شامی حکومت کے ایجنٹوں نے ۱۷ مارچ ۱۹۸۱ کو محترمہ بنان کو ان کے گھر میں نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ ان کا اصل نشانہ عصام تھے مگر اس روز وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ شیخ طنطاویؒ کو اپنی اس بیٹی سے بے پناہ محبت تھی اور وہ اس کی مظلومانہ شہادت کا اس موثر انداز میں تذکرہ کرتے ہیں کہ اسے پڑھتے ہوئے قاری غم میں ڈوب جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

آج عالم اسلام میں شیخ علی طنطاویؒ کے روحانی فرزندوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ان کی وفات پر عربی پریس میں اس قدر مضامین آرہے ہیں اور ایسی عقیدت کا مظہر ہیں کہ خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔

شیخ علی طنطاویؒ کو سعودی عرب میں اگرچہ بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس کے باوجود ان کو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ وہ اپنے ملک سے جلاوطن ہیں اور ایک دوسرے برادر اسلامی ملک میں پناہ گزیں ہیں۔ شیخ کو ان کی اسلامی، دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۰ میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ بھی دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، درجات کو بلند کرے، لغزشوں کو معاف کرے اور اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے۔ (آمین)

سید فیض الرحمٰن ہمدانیؒ

خلیل الرحمٰن ٥

ہمارے پیارے والد' سید مودودیؒ کے دیرینہ رفیق' ریسرچ اسکالر و منتظم مطبوعات دارالعروبہ' سید فیض الرحمٰن ہمدانی دعوت الی اللہ اور فریضہ اقامت دین کی ایک طویل اور ان تھک جدوجہد کے بعد بالآخر ۱۷ جون ۱۹۹۹ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

سید فیض الرحمٰن ہمدانی مرحوم قصور شہر میں سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ۹ جنوری ۱۹۳۷ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی فارسی آبائی طور سے پڑھی اور پھر علم کی پیاس میں کئی مدارس سے فیض حاصل کیا۔ انھوں نے مولانا محمد چراغ صاحب (مرحوم) کے مدرسہ جامعہ عربیہ گوجرانوالہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے علاوہ مولوی فاضل اور عربی کے امتحانات بھی پاس کیے۔ عربی زبان و ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ مولانا مودودیؒ کا کافی لٹریچر پڑھ چکے تھے۔ ان کے زبردست عقیدت مند تھے۔ قصور واپس آئے اور جماعت کا کام باقاعدہ شروع کیا۔ عزیز و اقارب نے سخت مخالفت کی۔ لیکن انھوں نے تحمل اور بردباری سے کام جاری رکھا۔ ۱۹۶۳ میں مولانا خلیل احمد حامدیؒ نے انھیں دارالعروبہ میں شریک کار بنالیا۔

جدید عربی پر مہارت حاصل کرنے کے لیے' ۱۹۷۰ میں' ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے توسط سے انھوں نے مصری کلچرل سنٹر میں باقاعدہ جانا شروع کیا۔ اسی دوران انھیں ریاض یونی ورسٹی جانے کا موقع ملا۔ وہاں سے وہ ایجوکیشن میں سند حاصل کر کے واپس وطن لوٹے اور دارالعروبہ میں بڑی تندہی اور جانفشانی کے ساتھ خدمات سرانجام دینے لگے۔

دارالعروبہ جماعت اسلامی پاکستان کا انتہائی اہم اور متحرک شعبہ تھا۔ زیادہ تر عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کے سربراہوں اور وہاں کی اسلامی تحریکوں کے ساتھ روابط رکھنا' عالمی کانفرنسوں میں شرکت کرنا اور

---

٥ فرزند' سید فیض الرحمٰن ہمدانی مرحوم

لوگوں کو جماعت کے موقف سے آگاہ کرنا' نیز لٹریچر کو عربی میں منتقل کرنا اس شعبے کے اغراض و مقاصد تھے۔

مولانا مسعود عالم ندویؒ کے قائم کردہ اس شعبے کو مولانا خلیل احمد حامدی مرحوم نے بہت آگے بڑھایا۔ ہمدانی صاحب نے ان کے دست راست کے طور پر تمام محاذوں پر ڈٹ کر کام کیا جہاں ضرورت محسوس کی گئی یا جہاں ڈیوٹی لگائی گئی۔ اس مرد مجاہد نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں نبھانے کی بھرپور کوشش کی۔

انھوں نے جہاں دارالعروبہ میں دیگر خدمات انجام دیں' تصنیف و طباعت اور تراجم کا کام سرانجام دیا وہاں تعلیم و تدریس کے فریضے سے بھی غافل نہ رہے۔ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ میں تدریس کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں جماعت اسلامی پاکستان کے ترجمان المنصورہ کی ذمہ داری میں بھی شریک رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

ہمدانی صاحب کی ایک نمایاں خدمت افغان جہاد میں مجاہدین اور دیگر فارسی و پشتو جاننے والے لاکھوں مسلمانوں کو گمراہی سے نکالنے اور اسلام کی فکر سے آگہی کے لیے مولانا مودودیؒ کا لٹریچر فارسی' پشتو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کروا کر ان تک پہنچانا ہے۔ اس طرح سے انھوں نے دور دراز علاقوں میں اسلام کی فکر' جہاد کا پیغام اور دین کی بصیرت کو عام کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس دوران ۴۳ کتابیں فارسی میں اور دیگر کتابیں روسی' پشتو' ترکستانی اور انگلش میں ترجمہ و طباعت کروا کر لوگوں تک پہنچانے کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ یہ جہاں افغان جہاد کے ثمرات کا ایک پہلو ہے' وہاں مولانا ہمدانی صاحب کے لیے صدقہ جاریہ بھی ہے جو تاابد جاری رہے گا اور ان کے بلندی درجات کا باعث ہو گا' ان شاء اللہ!

ہمدانی صاحب کی خدمات جلیلہ میں نمایاں ترین کام سید مودودیؒ کے لٹریچر کو عربی اور فارسی میں ترجمہ کروانا اور اس کی اشاعت ہے۔ اس ضمن میں ایک عظیم خدمت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کروانا ہے۔ پچھلے سال ہی اس کی طباعت سے فارغ ہوئے اور اب اس کی اشاعت کے لیے کوشاں تھے۔ اس کے لیے ایران کے دور دراز علاقوں کے دورے کیے اور علما سے ملاقاتیں اور رابطے کیے۔ تاشقند' سمرقند اور بخارا کے سفر کے لیے بھی کئی دفعہ تیار ہوئے مگر صحت نے اجازت نہ دی۔ جدید مسائل پر رہنمائی کے لیے سید مودودیؒ کی معروف تصنیف رسائل و مسائل (چھ حصے) کا فارسی میں ترجمہ کروانا اور دیگر ۱۲ کتب کا عربی میں ترجمہ و طباعت اور ترسیل کا سرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ آخری منصوبہ جس پر کام کر رہے تھے وہ سید مودودیؒ کا ترجمہ قرآن معہ مختصر حواشی تھا۔ یہ بھی مکمل ہو گیا تھا' نظرثانی کر رہے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔

ان کی ساری زندگی اخلاص کا نمونہ تھی۔ خود کہا کرتے تھے کہ اللہ مجھ سے کچھ کام لے لے تاکہ اس

کے حضور جا کر پیش کر سکوں اور درخواست کروں کہ یہ تیری رضا و خوشنودی کے لیے کیا تھا۔ اس کے عوض تو راضی ہو جا اور میری بخشش کر دے۔

اپنی صلاحیت اور لیاقت کی بنیاد پر بہت کچھ کما سکتے تھے، دنیاوی سہولتیں حاصل کر سکتے تھے مگر انھوں نے رزق کفاف کو اوڑھنا بچھونا بنایا اور تمام عمر بغیر کسی لالچ اور صلے کے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

ان کے ایک قریبی دوست محمد شریف قریشی کے مطابق: "وہ سچے غم خوار، بے لوث خدمت گزار، ایثار پیشہ اور پرخلوص خصوصیات کی حامل نہایت عمدہ شخصیت کے مالک تھے۔ وہ سراپا عجز و انکسار تھے۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حالات کیسے بھی ہوں انھوں نے صبر واستقامت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ انھیں سید مودودیؒ سے بے حد عقیدت اور تحریک اسلامی سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ انھوں نے تادم مرگ اپنے اس جذبہ عشق کو نبھایا۔ اس راہ میں دنیاوی مال و متاع کو بھی انھوں نے ٹھکرا دیا۔ ان کے والد ایک بااثر سیاسی اور دینی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا حلقہ عقیدت بھی وسیع تھا۔ اگر ان کی گدی سنبھالنا مطلوب ہوتا تو سیادت و قیادت ان کے قدم چومتی اور دنیاوی اعتبار سے جاہ و حشمت کی کمی نہ ہوتی۔ لیکن یہ مرد قلندر، حق کا سپاہی ان سب چیزوں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ دین حق کی خدمت میں انھیں لطف محسوس ہوتا تھا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے"۔

۱۹۹۷ میں فالج کے اچانک حملے نے ان کی بینائی ان سے چھین لی۔ ہماری والدہ بھی فالج کی وجہ سے شدید علیل تھیں۔ وہ اپنی نظر کی وجہ سے بہت فکرمند رہتے تھے کیونکہ ان کا کام رک گیا تھا۔ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں: "نظر کی کمزوری کی وجہ سے میں ایک ماہ بیکار رہا"۔ وہ اپنے بہت سے منصوبے مکمل کرنا چاہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نظر لوٹانی شروع کر دی اور انھوں نے اپنا کام پھر سے شروع کر دیا۔ ترجمہ قرآن فارسی میں تیار ہو رہا تھا اور دیگر منصوبے زیر تکمیل تھے۔ اس دوران بہت سے محبوب ساتھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اہلیہ اور بڑے بھائی بھی اس دنیا سے گزر گئے مگر وہ انتہائی صبر اور استقامت سے اپنے مشن میں مصروف رہے۔ ۲۳ اپریل ۱۹۹۹ کو ایک بار پھر فالج کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے کافی عرصہ بے ہوشی کی حالت میں رہ کر بالآخر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب بھائیوں کو دین کی خدمت کے لیے انھی جیسا جذبہ عطا فرمائے، اخلاص کا نمونہ بنائے اور انھیں کے لیے صدقہ جاریہ! (آمین)

رسائل و مسائل

اسلامی تحریک میں سمع و طاعت کی شرعی حیثیت

سوال: اللہ کے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے گویا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ:

۱۔ ایک اسلامی تحریک میں، جب کہ اسلامی حکومت قائم نہ ہو، سمع و طاعت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ اطاعت کب تک جائز رہتی ہے؟ کیا ہر معروف کی اطاعت لازمی ہے؟

۳۔ کیا اطاعت کی حد اتنی ہی وسیع ہے جتنی کہ اسلامی ریاست میں امیر کی اطاعت کی ہے؟

۴۔ اطاعت نہ کرنے پر نبی کریمؐ کی احادیث میں جو وعید ملتی ہے کیا تحریک میں اطاعت سے روگردانی پر بھی فرد اسی کا حق دار قرار پاتا ہے؟

جواب: اقامت دین کا کام فرض عین ہے۔ اسلامی تحریک اس کام کو ادا کرنے کے لیے وجود میں آئی ہے۔ اس کی چھوٹی بڑی تنظیمیں اسلامی تحریک کے مختلف یونٹ ہیں اور اسلامی تحریک کی حیثیت ایک منظم فوج کی ہے۔ امارت، نظم اور اجتماعیت کی اساس ہے اور امارت بغیر سمع و اطاعت کے متصور نہیں ہے۔ اسلامی تحریک کا وجود اور اس کا کام قرآن پاک کی متعدد آیات اور احادیث کا تقاضا اور دین کی روح ہے۔

اسلامی تحریک ایک طرف مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلاتی ہے، انھیں اس کے لیے فکری اور عملی طور پر تیار کرتی ہے اور دوسری طرف لادین جماعتوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ باطل اور لادین افکار و نظریات پر تنقید کر کے عامتہ المسلمین کو ان کے شر سے بچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو صرف یہ بات مطلوب نہیں کہ لوگ اس کے دین کے لیے لڑیں، بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ منظم ہو کر اس کے دین کے لیے لڑیں اور ایک منظم قوت بن کر کفر کی منظم طاقت کو شکست دیں اور اس کے اقتدار کو ختم کر کے اسلامی اقتدار قائم کریں۔ انبیا علیہم السلام نے صرف نظریہ نہیں پھیلایا بلکہ نظریے پر ایمان لانے والوں کو اپنی قیادت میں منظم کر کے ایک امت بنایا۔ تمام انبیا علیہم السلام کا مقصد اور نصب العین ایک تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ (المومنون ۲۳: ۵۲)۔ اور یہ تمھاری امت ایک

ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں' پس مجھی سے تم ڈرو)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عام انبیا علیہم السلام کی طرح ایک امت برپا کی۔ آپؐ نے اپنے دور میں مختلف فوجیں مختلف امرا کی قیادت میں دعوت و جہاد کے لیے روانہ کیں اور انھیں ہدایات دیں جن میں معروف میں امیر کی سمع و اطاعت کی ہدایت بھی شامل ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب و سنت اور فقہ اسلامی میں طے شدہ اصول ہے۔

اس وقت دنیا میں اسلامی تحریک اور اس کی چھوٹی بڑی تنظیموں سے وابستگی اور ان کے نظم کی اطاعت اس بنیاد پر ہے کہ یہ ایک ایسی جماعت اور فوج ہے جو اقامت دین کے لیے سرگرم عمل ہے' اور وہ اسی فریضے کو سرانجام دے رہی ہے جو فریضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کیا گیا تھا۔ جو لوگ اس سے وابستہ ہوتے ہیں وہ ایک دستور کی بنیاد پر تنظیم میں شامل ہوتے ہیں اور اپنے عہد کی بنیاد پر اطاعت نظم کے پابند ہوتے ہیں۔ فریضہ اقامت دین کو سرانجام دینے کی خاطر ہی وہ اس تنظیم سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے تنظیم کو مضبوط' فعال اور متحرک رکھے اور اسے وسیع کرنے کی کوشش کرے تاکہ مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔

تنظیم کے بغیر اور تنظیمی قوت اور تنظیم کو بڑے پیمانے پر وسیع کیے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ تنظیم کی مضبوطی کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ نظم کی اطاعت کریں۔ اس کے نظم کے وہ تمام لوگ پابند ہیں جنھوں نے اس میں شمولیت اختیار کی ہے اور اطاعت کا عہد کیا ہے۔ اگر وہ معروف میں تنظیمی اور دعوتی کاموں میں نظم کی اطاعت نہیں کریں گے تو اپنے عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے۔ قرآنی حکم ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴) عہد کی پابندی کرو' بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہو گی۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل ۱۶: ۹۱) اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو' اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو--- یہ عہد جو تنظیم کے ساتھ کیا گیا ہے' جس کا حلف اٹھایا گیا ہے' اس کی خلاف ورزی کی جائے گی تو گناہ ہو گا کیوں کہ یہ عہد کی خلاف ورزی ہے۔

اس میں سمع واطاعت کی خلاف ورزی کا گناہ' فوج کے امیر کے حکم کی خلاف ورزی کے گناہ کی طرح ہے۔ اس کے کاموں میں سستی کا وہی حکم ہے جو فوجی اور جہادی مہمات میں سستی کا ہے۔ جس طرح فوجی مہمات کی اہمیت میں فرق ہوتا ہے اور اس میں بعض مہمات میں شرکت سب کے لیے ضروری ہوتی ہے اور بعض میں سب کی شرکت ضروری نہیں ہوتی اور بعض کی حیثیت صدق اور نفاق کو پرکھنے کی ہوتی ہے۔ تحریکی مہمات کا بھی یہی حکم ہے۔

--- جو شخص عقیدہ اور نصب العین میں کمزوری کی بنا پر سمع و اطاعت میں کمزور ہو گیا اور تحریکی مہمات میں سست پڑ گیا وہ گناہ گار ہو گا۔

--- جو شخص عقیدہ اور نصب العین سے انحراف کی بنا پر تنظیم سے الگ ہو گیا وہ خسارے میں پڑ گیا۔

--- جو شخص نظم سے اختلاف کی بنا پر الگ ہو گیا اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔

--- جو کام کی مشکلات سے ڈر کر یا دنیاوی لالچ میں آ کر ایک طرف ہو گیا' وہ جہاد سے پیٹھ پھیرنے کے جرم کا مرتکب ہو گیا۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کی ترتیب کے مطابق جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) جو شخص موجودہ حالات میں' جب کہ اسلامی حکومت قائم نہیں ہے' اسلامی نظم جماعت میں شامل ہونے کے باوجود سمع و اطاعت نہیں کرتا وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہے اور سمع و اطاعت کی جس قدر خلاف ورزی کرے گا اسی قدر اپنے عہد کو توڑے گا اور اسی تناسب سے گناہ کا مرتکب ہو گا۔

(۲) اطاعت' معروف میں جائز ہے اور معروف کو قائم کرنے کی خاطر ہی تو تنظیم وجود میں آئی ہے۔ تب غیر معروف میں اطاعت کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

(۳) اسلامی حکومت کے امیر' اور امیر جماعت کی اطاعت میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے اور دونوں کی حدود مختلف ہیں۔ امیرالمومنین کی اطاعت' امیر ریاست کی حیثیت سے ہوتی ہے اور امیر جماعت کی اطاعت تنظیم کے امیر کی حیثیت سے ہے۔ امیر ریاست کی اطاعت آدمی کی مرضی پر منحصر نہیں ہے' اس نے اس کی اطاعت کا عہد کیا ہو یا نہ کیا ہو اسے معروف میں اس کی اطاعت کرنا ہو گی۔ جب کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق منصب پر فائز ہوا ہو اور معروف کے مطابق حکم کرتا ہو۔ ایسے امیر کی اطاعت اور نافرمانی کے بارے میں فرمایا: مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِی فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ "جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔ لیکن امیر جماعت کی اطاعت عہد پر موقوف ہے' جس نے اطاعت کا عہد کیا ہو وہ اطاعت کرے گا اور جس نے اطاعت کا عہد نہیں کیا وہ اطاعت کا پابند نہیں ہو گا۔

(۴) اطاعت سے ہاتھ کھینچنے کی صورت میں جو وعیدیں آئی ہیں ان کا تعلق امیرالمومنین اور مسلمانوں کے اجتماعی نظم سے کٹ جانے سے ہے۔ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جانا ان کے مقابلے میں تنہا چلنا یا جماعت بنانا' فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهٖ اور مَنْ شَذَّ شَذَّ فِی النَّارِ ترجمہ: (اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال لیا جو الگ ہوا' وہ الگ ہو کر آگ میں چلا گیا) کا مصداق اور اسلام سے علیحدگی کے ہم معنی ہے۔ امیر کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ نہیں کہا گیا البتہ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی کو گناہ کبیرہ کہا جا سکتا ہے

کیونکہ اس پر شَذَّ فِی النَّارِ کی وعید ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی کسی تنظیم یا اسلامی تحریک کی کسی تنظیم سے علیحدگی' جماعتی تنظیم سے علیحدگی کے مترادف ہے۔ وہ اس وقت قابل اعتراض ہے جب آدمی اقامت دین کی جدوجہد کو ترک کر دے اور اس کے لیے کسی بھی اجتماعی کوشش کو چھوڑ دے۔ تنظیم سے علیحدگی کا فیصلہ' غلط فیصلہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس کو ان احادیث کا مصداق نہیں کہا جا سکتا جن میں جماعت سے الگ ہونے پر وعیدیں آئی ہیں (مولانا عبدالمالک)۔

درس قرآن کا طریقہ

س: درس قرآن کا پروگرام کس طرح کرنا چاہیے کہ اس سے عام لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں؟ کیا ہر پڑھا لکھا شخص درس قرآن دے سکتا ہے؟ یا اس کے لیے "عالم" ہونا شرط ہے؟ کیا کوئی تحریکی ساتھی کسی تفسیر مثلاً تفہیم القرآن یا معارف القرآن وغیرہ سے درس دے سکتا ہے یا نہیں؟

ج: درس قرآن کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کوئی تفسیر پڑھ کر سنا دیں۔ یہ درس وہ شخص دے سکتا ہے جو ترجمہ اور تفسیر کو سمجھتا ہو۔ اس نے ترجمہ اور تفسیر کا مطالعہ کر کے اطمینان کر لیا ہو کہ اس میں جو لکھا گیا ہے وہ اسے سمجھ چکا ہے۔ ایسا شخص ترجمہ اور تفسیر پڑھ کر سنا سکتا ہے۔ سننے سنانے کے بعد اہل مجلس اسے بحث مباحثہ کے ذریعے سے مزید سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی ترجمہ و تفسیر میں بصیرت پیدا کر چکا ہو اور تفسیر پڑھ کر سنانے کی بجائے براہ راست قرآن پاک سے ترجمہ و تفسیر پیش کر سکتا ہو۔ یہ وہ شخص ہو سکتا ہے جس نے لغت اور صرف و نحو کے ذریعے ترجمہ و تفسیر میں بصیرت پیدا کی ہو اور تفسیر کے دروس میں شامل ہو کر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا ہو۔ ایسا شخص براہ راست درس دے سکتا ہے اور کبھی کوئی اشکال پیش آجائے تو اس کے لیے علما سے رجوع کر سکتا ہے۔

تیسرا شخص وہ ہے جو باقاعدہ عالم دین ہو۔ یہ شخص قدیم و جدید تفاسیر کا مطالعہ کر کے محققانہ انداز میں درس دے گا۔ یہ تمام لوگ مذکورہ طریقوں سے درس دے سکتے ہیں۔ تفہیم القرآن' معارف القرآن' تدبر القرآن' تفسیر ابن کثیر' فی ظلال القرآن اور دیگر جدید تفاسیر کا مطالعہ کر کے مضمون پر عبور حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد درس دیا جائے تو موثر ہو گا۔

جماعت اسلامی کے کارکن باقاعدہ تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ درس قرآن و حدیث دیتے ہیں وہ اجتماعات کے ذریعے بھی دروس قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرتے ہیں

اور بعد میں ان کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں' اس لیے وہ جو درس دیتے ہیں۔ اس پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ وہ محض مطالعہ کر کے درس نہیں دیتے بلکہ پڑھنے اور سمجھنے کے بعد درس دیتے ہیں اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دے سکتے ہیں (ع - م)۔

عشر کے جدید مسائل: ایک وضاحت

س: "رسائل و مسائل" (جنوری ۹۹) میں آپ نے فرمایا ہے کہ بڑے زمین دار اپنے طور پر اخراجات منہا کیے بغیر عشر کا تعین کریں اور چھوٹے زمین دار اخراجات منہا کر کے بقیہ میں سے عشر ادا کریں۔ میں خود بھی اور کچھ دیگر زراعت پیشہ دوست بھی اس جواب سے اور مسئلے کی اس نوعیت سے مطمئن نہیں ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے زمین دار کا تعین کون کرے؟ کیا فارمولا ہو جو معروف ہو سکے؟ دوسرا سوال یہ ہے چھوٹے زمین دار کی اپنی کاشت سے جہاں آمدن کم ہو گی' وہاں فصل پر اٹھنے والے اخراجات بھی کم ہوں گے اور بڑے زمین دار کی جہاں فصل کی مقدار زیادہ ہو گی وہاں فصل بنانے پر اس کے اخراجات بھی زیادہ اٹھتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو حیلہ سازی کے مواقع ملیں گے۔ جس طرح ہسپتالوں میں فیس اور علاج کے اخراجات یا بچوں کو محکمہ تعلیم سے وظائف دلوانے کے لیے لوگ اپنی آمدنی کے جھوٹے سرٹیفکیٹ بنواتے ہیں۔ آیندہ اسلامی حکومت بنے گی تو عاملین کے ساتھ حیلہ سازی کی جائے گی۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ اکثر علما احناف اس پر متفق ہیں کہ کاریز' نہر' چشمہ اور بارانی پانی کی فصل میں دسواں حصہ عشر ہے' جب کہ ٹیوب ویل یا دیگر ایسا پانی جس پر خرچ آتا ہو اس کی فصل میں سے بیسواں حصہ یعنی ۵ فی صد ہے۔ یہ متفقہ بھی ہے اور سادہ اور آسان بھی۔ ازراہ کرم اس مسئلے پر سیر حاصل بحث فرمائیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔ فارمولا متعین صورت میں ہو اور معروف و مروج ہو جائے۔

ج: آپ نے عشر کے بارے میں استفسار پر جو اشکالات پیش کیے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ عشر کل پیداوار میں سے ادا کیا جائے۔ جمہور کا یہی مسلک ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔ لیکن بعض حضرات' صحابہ کرامؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین کے نزدیک بعض اخراجات' مثلاً ایسے اخراجات جو زمین پر قرض لے کر کیے ہوں' وہ منہا کیے جا سکتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور بعض کے نزدیک کل اخراجات منہا کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت عطاؒ تابعی کا

یہی مسلک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھریلو قرضوں کو بھی منہا کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور شارح ترمذی ابن عربی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ انھوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ نبی کریمؐ اپنے عاملین کو ایک تہائی یا ایک چوتھائی منہا کر کے عشر لینے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتنی مقدار اخراجات میں چلی جاتی ہے۔ نیز نبیؐ کے فرمان: لَيْسَ فِيْ مَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ ''پانچ وسقوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے'' سے چھوٹے زمین دار کا تعین ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اخراجات کا مسئلہ اجتہادی نوعیت رکھتا ہے لہٰذا اصول تو اسی کو بنایا جائے کہ اخراجات منہا کیے بغیر عشر دیا جائے۔ لیکن اگر ایک آدمی پیداواری اخراجات کی وجہ سے اس قدر زیربار ہو گیا ہو کہ پیداواری اخراجات منہا کیے بغیر وہ عشر ادا کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو' تو پھر ایسی حاجت شدیدہ کی صورت میں ان فقہا کے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے جن کے نزدیک اخراجات منہا کرنے کی اجازت ہے۔ چھوٹے زمین داروں سے اسی قسم کے زمین دار مراد ہیں جن کی پیداوار تھوڑی ہو یا وہ پیداواری اخراجات کی وجہ سے بہت زیادہ زیربار ہو چکے ہوں کہ وہ خود بھی فقرا اور مساکین کے زمرے میں آگئے ہوں۔ میں نے اپنے جواب کے آخر میں وضاحت سے لکھا تھا کہ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اخراجات کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ زمین دار غریب ہو' صاحب استطاعت نہ ہو اور اخراجات کو منہا کیے بغیر بوجھ تلے دب جائے۔ اسے دوسروں کی طرف سوال کے لیے رجوع کرنا پڑے اور قرض اٹھانا پڑے۔ اس کی دلیل بھی مذکورہ حدیث ہی ہے۔ یعنی اَلصَّدَقَةُ عَنْ ظَهْرِ غِنًى ''صدقہ مال دار کی پشت پر ہے''۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد آپ مطمئن ہو جائیں گے (ع - م)۔

کتاب نما

فلسفہ، سائنس اور قرآن، الشیخ ندیم الجسر، مترجم: خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ۔ ناشر: الفیصل، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۵۰۲، قیمت: ۱۸۰ روپے۔

یہ کتاب مفتی طرابلس (لبنان) الشیخ ندیم الجسر کی ایک تالیف **قصة الایمان بین الفلسفه والعلم والقرآن** کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے قبل مولف کے والد شیخ حسین الجسرؒ کی تصنیف **الرسالة الحمیدیه** کا اردو ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں **اسلام اور سائنس** کے نام سے شائع ہوا تھا۔ دونوں کتابوں کا موضوع بنیادی طور پر ایک ہی ہے البتہ **الرسالة الحمیدیه** کی نسبت، زیرنظر کتاب فلسفے کے دو ہزار سال کے زیادہ گہرے مطالعے اور تجزیے پر مشتمل ہے۔ مولف کے مطابق یہ کتاب دراصل سمرقند کے الشیخ الموزون اور ان کے ایک شاگرد کے درمیان مکالمات پر مشتمل ہے۔ شاگرد کے ذہن میں اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں، شیخ الموزون انھیں دور کرتے ہیں اور اس خوبی کے ساتھ کہ ان کے ارشادات دیگر قارئین کے لیے بھی نہایت مفید ہیں، خصوصاً آج کے دور الحاد میں، جب اکثر افراد ذہنی شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں، مگر ان کا حل انھیں کہیں سے نہیں ملتا۔

شیخ الموزون کا کہنا ہے کہ فلسفہ ایک سمندر ہے لیکن دیگر سمندروں کے برعکس اس کے ساحل خطرات اور گمراہی سے عبارت ہیں۔ سلامتی اور ایمان سمندر کی گہرائیوں میں ہے۔ الشیخ پہلے سائنس اور فلسفے کا فرق بیان کرتے ہیں، پھر خالق کائنات کے وجود اور مابعد الطبیعیات کے بارے میں مختلف فلسفیوں کے افکار کا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر فلسفی الٰہ حقیقی کے متلاشی رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ یونان کے فلسفیوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے (بقول ان کے) بعض نے الٰہ حقیقی کی طرف راہ پا لی اور بعض کی عقل اس کے تصور سے عاجز رہ گئی۔ یونانی فلسفے کی بحث میں سب سے پہلے قابل قدر حصہ وہ ہے جہاں الشیخ عقلی مبادیات کے حق میں دلائل دیتے ہیں (ص ۶۴)۔ یہ دلائل آج بھی مابعد الطبیعیات کے مخالفین کے سامنے پیش کیے جاسکتے ہیں جو کہتے ہیں کہ تجربے (سائنس) سے ماورا کوئی علم ہی نہیں۔

آگے چل کر وہ مسلمان فلسفیوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے ان کے بقول ایمان صادق بالوحی اور ایمان بذریعہ عقل سلیم کو جمع کر لیا، البتہ ان میں سے کچھ نے تخلیق کے مراتب اور اس کے واسطوں کو نوافلاطونیت کے بے ہودہ نظریات سے اخذ کیا۔ مسلمان فلسفیوں نے موجودات کو ممکن الوجود (جس کے نہ

ہونے سے بھی کوئی عقلی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی) اور واجب الوجود (جس کے نہ ہونے سے عقلی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے' یعنی تجرباتی / سائنسی دلیل کے بغیر بھی عقل بذات خود اس کے وجود کا تقاضا کرتی ہے) میں تقسیم کیا اور یوں خالق کائنات کے وجود پر عقلی دلائل قائم کیے۔

پھر مغربی فلسفیوں کے افکار کا جائزہ ہے۔ خصوصاً کانٹ (Kant) کے افکار کی بحث قابل قدر ہے' جس نے ہیوم (Hume) کے پیش کردہ شکوک کے جواب میں عقل کی بنیادوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ معرفت تنہا تجربات و مشاہدات سے حاصل نہیں ہوتی' عقل سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ وہ عقل خالص کو نظریۂ زمان و مکان سے بلند تر ہو کر نہیں دیکھ پایا۔ اس نے اپنے ایمان کے باوجود یہ کہا کہ عقل صرف محسوسات کی دنیا میں کام کر سکتی ہے' لہٰذا تخلیق کائنات کے بارے میں عقل کچھ نہیں کہہ سکتی---- یہ رائے قائم کرنے میں وہ یہ نظرانداز کر گیا کہ یہ کائنات مجموعی طور پر بھی محسوسات میں شامل ہے' اور عقل کا کام صرف اس کے اجزا کی وضاحت نہیں اس مجموعے (عالم) کی وضاحت بھی ہے [راقم کے خیال میں کانٹ کی اس غلطی کے باعث اس کے بعد مغربی فلسفہ' تجربات و مشاہدات تک محدود ہو کر رہ گیا] ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تجربات و مشاہدات کے راستے معرفت الٰہی کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈارون ازم ہے۔ شیخ الموزون کے خیال میں عالم عیسائیت میں اس حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں جو اب ہمارے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ الشیخ کا کہنا ہے کہ ڈارون' اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا اور صراحت کرتا ہے کہ سارے جانور اور پودے چار یا پانچ اصلوں کی طرف لوٹتے ہیں جو زمانہ قدیم میں پیدا شدہ ہیں' جن میں ہر ایک کا ایک جوڑا اصلی تھا۔ اس موقع پر الشیخ بتاتے ہیں کہ انیسویں صدی میں ایک ہی عالم دین تھا جس نے یہ لکھنے کی جسارت کی کہ ڈارون کا نظریہ احکام دین سے قطعی طور پر متعارض نہیں' یعنی مصنف الرسالۃ الحمیدیہ شیخ حسین الجسر۔ البتہ ان کا بھی یہ کہنا تھا کہ نظریہ ارتقا کی صحت پر وہ دلائل قاطعہ قائم نہیں ہوئے جو ہمیں نصوص کی تاویل کی طرف راغب کریں۔ ص ۲۲۳ تا ۲۳۹ میں اس بات کا بیان ہے کہ قرآن و حدیث اور سائنسی علوم و نظریات میں تقابل کے عمومی اصول کیا ہیں؟

کتاب کے دوسرے نصف کی ابتدا میں الشیخ نے قرآن مجید کی وہ تمام آیات جمع کر دی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کے اثبات پر دال ہیں۔ الشیخ کہتے ہیں کہ یہ وہ بدیہہ' سہل' سادہ اور واضح براہین ہیں جن کا ادراک عقل کو استدلال و بحث کی گہرائیوں میں جائے بغیر ہو جاتا ہے۔ یہ آیات ان دلائل کو اس انداز سے پیش کرتی ہیں کہ یہ نزول قرآن کے وقت کے عام آدمی کی سمجھ میں بھی آ سکتے تھے اور' مرور ایام کے ساتھ ساتھ' جیسے جیسے علم میں اضافہ ہوتا چلا گیا' ان کے اسرار علما پر منکشف ہوتے رہے۔ ان انکشافات کو' متعلقہ قرآنی آیات کے ہمراہ' اس کتاب میں نہایت عمدہ اور ادبی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

بہت سے قارئین کے لیے یہ کتاب کا دلچسپ ترین حصہ ہے۔

یہ کتاب ہمارے مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہونی چاہیے' تاکہ ہمارے علما یہ جان سکیں کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے سامنے نظریاتی میدان میں اصل آزمایش کیا ہے (ص ۳۰' ۳۱)۔ مزید یہ کہ وہ ایک عالم دین (الجسر) ہی کی زبان سے خاصی حد تک یہ جان لیں کہ آج کے گمراہ فلسفے کا اسلام کے مطابق جواب کیا ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں بطور ایک نصابی کتاب کے اسے داخل کرنے کی کوشش کرنے سے پہلے البتہ یہ ضروری ہے کہ اس میں موضوعاتی ترتیب اور حوالہ جات کا اہتمام کیا جائے۔ موجودہ حالت میں بطور ایک زاید از نصاب کتاب کے' یہ جدید تعلیمی اداروں میں موثر ثابت ہو سکتی ہے۔

جناب خدا بخش کلیار نے ترجمے میں غیر معمولی محنت کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مدارس عربیہ سے باہر کے قارئین کے لیے بھی مفید اور موثر ثابت ہوگی (ڈاکٹر بلال مسعود)۔

حرمین شریفین کی فضاؤں میں' گوہر ملسیانی۔ ناشر: شہ تاج مطبوعات' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۴۳۱۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

حج کے سفرنامے ہمارے ادب کا ایک دل کش اور ایمان افروز حصہ ہیں۔ گوہر ملسیانی کا یہ سفرنامہ' سفرنامے کے ساتھ ساتھ سیرت کی کتاب بھی ہے۔ انھوں نے سفرنامے کی وسعت کو پورا پورا بلکہ زیادہ ہی استعمال کیا ہے۔ مدینہ پہنچے تو مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع کی پوری تاریخ بھی قارئین کے لیے لکھ دی۔ جیسا انھوں نے خود بتایا ہے کہ اس میں صرف مناسک حج ہی نہیں بلکہ بیت اللہ کے سائے میں پیغمبرؐ اسلام اور صحابہ کرامؓ کے جذب و مستی سے پر لمحات' تاریخ اسلام کے آئینے میں بولتی ہوئی آواز' عصر حاضر کے حوالے سے تڑپتی ہوئی صدائیں اور صاحبان اقتدار کے ساتھ اسلامیان عالم کے عروج و زوال کے حوالے--- اور یوں اس سفرنامے میں سیرت' معاشرت' معیشت' تاریخ وغیرہ پر بھی معلومات ملتی ہیں۔

گوہر ملسیانی' ادیب ہیں' شاعر ہیں' صاحب دل مسلمان ہیں' استاد ہیں' چنانچہ "بعض اوقات' میرے جذبات نوک قلم سے آب زم زم کی طرح اچھلے ہیں' کئی مراحل ایسے آئے ہیں' جہاں آنسوؤں کی زبان میں گفتگو ہوئی ہے اور ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے ہیں"۔ اگر محترم مصنف اس سفرنامے کو واردات قلبی تک ہی رکھتے تو حج کے سفرناموں میں ایک نہایت یادگار اضافہ ہوتا۔ معلومات اور تاریخ کے لیے دوسری کتب موجود ہیں (مسلم سجاد)۔

ہلال و صلیب کا نیا معرکہ' شفیق الاسلام فاروقی۔ ناشر: حرا پبلی کیشنز' چیٹرجی روڈ' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۴۰۰۔ قیمت: ۱۸۰ روپے' مجلد۔

حق و باطل کی کش مکش ازل سے جاری ہے۔ عنوان بدلتے رہے ہیں' مگر کردار اور میدان ایک سے رہے ہیں۔ اس معرکے میں کار فرما روح تو بالکل ہی ایک جیسی رہی ہے۔ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار پر یہودی' عیسائی' مجوسی اور ہندو متفق رہے ہیں۔ جہاں جہاں ان کا بس چلا ہے' انھوں نے روز اول سے حیرت انگیز اتحاد کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمہ جہت یلغار جاری رکھی ہے۔

جناب شفیق الاسلام فاروقی دعوت دین کے لیے ایک قابل رشک جذبہ رکھتے ہیں۔ ان کی زیر نظر نئی کتاب اسی معرکے کا ایک روشن باب ہے۔ مصنف نے اس معرکے کو محض ایک تماشائی کے طور پر نہیں دیکھا' بلکہ جذبے سے سرشار ایک نوجوان مجاہد کی طرح اس جدل میں حصہ بھی لیا ہے۔ انھوں نے باقاعدہ ایک مورچہ سنبھال کر' ایمان' حاضر دماغی' قلم اور محدود وسائل کے ہتھیاروں سے یہ جنگ لڑی ہے۔ وہ ستائے بغیر ہر آن ایک زیرک اور بیدار مغز اوپی (جنگی اصطلاح میں اوپی اگلے مورچوں پر فوجیوں کی رہنمائی کے لیے دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے) کی طرح دشمن' اس کی گھاتوں اور چالوں کو پرکھتے ہیں۔ پھر قلم بکف ہو کر دشمن سے براہ راست معرکہ آزمائی کرتے ہیں۔

فاروقی صاحب نے مغرب کے ثقہ اہل قلم کی' مخالف اسلام تحریروں پر گرفت کی ہے۔ طرز تحریر مناظرانہ ہے اور نہ طرز تکلم صوفیانہ۔ وہ ایک داعی حق کی طرح اسلام کا موقف بے لاگ انداز اور مدلل و متین پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بیرونی دنیا میں انگریزی اور اندرون ملک اردو کو ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ یہ کتاب مغربی ذہن اور ان کے اہل قلم کی اسلامی روح کو جاننے میں بے بسی کو آشکارا کرتی ہے۔ قدیم اور جدید تاریخ پر مصنف کی نظر سے آشنا کرتی ہے۔ قرآن' حدیث' سیرت پاکؐ اور اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز اور غنیم کی ٹھوکروں کو بے نقاب کرتی ہے (سلیم منصور خالد)۔

عصر حاضر کی جہادی تحریکیں' محمد شفیق ملک۔ ناشر نوید سحر پبلی کیشنز' ۴۲ چیمبرلین روڈ' لاہور۔ صفحات: ۶۴۴۔ قیمت: ۲۶۰ روپے۔

امت مسلمہ' مختلف علاقوں میں غاصب قوتوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جہاد کے عمل سے گزر رہی ہے۔ اسلام کی بنیاد ایمان اور جہاد پر استوار ہے۔ کشمیر' افغانستان' چیچنیا' کوسووا' اراکان' فلسطین' بوسنیا' مورولینڈ (فلپائن) کے علاقے مسلمان حریت پسندوں اور مجاہدوں کے خوں سے لالہ زار ہیں۔

ان جہادی تحریکوں کے بارے میں مصدقہ معلومات کی فراہمی آسان کام نہیں ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے میں معلومات فراہم کرنے کی ایک کاوش ہے۔ بہ ظاہر مصنف نے خاصی محنت سے کافی تفصیل فراہم کر دی ہے لیکن مراجع و مصادر ثانوی ہیں۔ اگر بنیادی عربی مآخذ کی مدد سے مزید معلومات تک رسائی حاصل کی جاتی تو اور بہتر ہوتا۔ اسی طرح کتاب کے حجم اور مباحث کو متناسب انداز سے مدون کرنے کی ضرورت تھی [

کہیں کہیں مبالغے اور سرسری پن کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیقی انداز کی کمی اور پھیلاؤ زیادہ ہے] ۔ اس طرح کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا اور اس کا حلقہ قارئین بھی زیادہ وسیع ہوتا۔ بہ صورت موجودہ بھی کتاب مفید اور لائق استفادہ ہے (محمد ایوب منیر) ۔

تعلیم و تعلم اور دعوت کے اسلامی اصول و آداب، مولانا نصیب الرحمٰن علوی۔ ناشر: زم زم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر، گوالی لائن نمبر ۴، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۱۸۴۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

علم کی فرضیت، اہل علم کی فضیلت، طالب علم کے حقوق و آداب، استاد کے حقوق و آداب، ساتھیوں کے حقوق، آداب درس، آداب تدریس، کاغذ، قلم روشنائی کا ادب، طلبہ سے ذاتی خدمت، تبلیغ کی اہمیت، داعی کے اوصاف اور کام وغیرہ جیسے عنوانات سے کتاب کے دائرہ موضوعات کی وسعت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف نے مستند مآخذ سے معلومات کا عمدہ ذخیرہ جمع کیا ہے جو دلچسپ ہے، معلومات افزا بھی ہے اور قارئین کی توجہ ایسی جزئیات کی طرف مبذول کراتا ہے جہاں ہر شخص کی نگاہ نہیں جاتی۔

دینی مسائل معلوم کرنے اور زندگی کی مختلف الجھنوں کے سلسلے میں مشورہ لینے کے لیے، کتاب کے آخر میں، کراچی کے علمائے کرام کے نام پتے، نمبر اور اوقات مشورہ وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے (رفیع الدین ہاشمی) ۔

بچوں کی لائبریری، مقصود احمد۔ ناشر: تعمیر ملت فاؤنڈیشن، ایف ایٹ تھری، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۴۸۔ قیمت: درج نہیں۔

بچوں کی لائبریری کا یہ دوسرا ایڈیشن، پہلے ایڈیشن کی بہت ترقی یافتہ اور مفید تر شکل ہے۔ اور اگر اپنے گذشتہ تبصرے کا حوالہ دیا جائے تو پہلے دریا کوزے میں بند کیا گیا تھا، تو اب سمندر کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یقیناً یہ ہر اسکول کی، خصوصاً پرائمری اسکول کی ایک ناگزیر ضرورت ہے لیکن، کیوں کہ ہمارے ملک میں ادارے عموماً خود اپنی ناگزیر ضروریات سے بے نیاز ہوتے ہیں، اس لیے مقصود احمد کی یہ محنت معلوم نہیں کتنے فی صد کے کام آئے!

مصنف نے لائبریری کے حوالے سے، کتب و دیگر معاونات کے حصول کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پانچویں جماعت تک کے لیے مختلف ناشرین کی اردو، انگریزی، اسلامیات اور ریاضی، درسی کتب کے علاوہ دوسری عام کتب مطالعہ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ معلمین و معلّمات کی ضرورت کی کتب کی بھی خاصی جامع فہرست دی گئی ہے۔ ناشرین کے پتے بھی فراہم کیے گئے ہیں۔ بچوں میں کتب بینی کی عادت پروان چڑھانے پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ مصنف نے اسکولوں کے ذمہ داران کا کام

بالکل آسان کر دیا ہے' اس لیے انھیں مصنف کا احسان مند ہونا چاہیے (م - س) -

Muhammad (peace be upon him) in his own words ' مرتبہ: غوث محی الدین- ملنے کا پتا: اے ۹۶' بلاک ۱۳ ڈی' گلشن اقبال' کراچی- صفحات: ۲۸- قیمت: ۱۵ روپے-

مختلف کتب احادیث سے ۸۹ / احادیث کا یہ مجموعہ' مرتب نے ۵۰۰ گھنٹے کی محنت سے منتخب کیا ہے تا کہ آج کے مسائل کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آج کے لوگوں کو کسی واسطے کے بغیر پہنچایا جائے- ۱- ایمان و عمل ۲- دوسروں کا خیال ۳- نیکی اور ۴- معاشرتی رویے کے چار عنوانات کے تحت تمام احادیث کی سند اور انگریزی زبان کی صحت کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے اور ان افراد کے نام دیے گئے ہیں جنھوں نے بطور گروپ اس کام میں مرتب کی مدد کی- یہ انتخاب بنیادی طور پر رسولؐ اللہ سے ناواقف بلکہ غلط معلومات اور تعصب کے شکار مغربی ممالک کے عوام کے لیے' ایک بہ زبان خود تعارف کی حیثیت رکھتا ہے- لیکن مسلمانوں کے لیے بھی اس کی افادیت بطور تذکیر مسلمہ ہے- ملک میں انگریزی کے بڑھتے ہوئے رواج میں اس نوعیت کے کتابچوں کی اپنی اہمیت ہے (م - س) -

مسلمان اور امامت کبریٰ ' صدر الدین اصلاحی- ناشر: تیسیر پبلی کیشنز' ۱/۱۹۱ غفار منزل' جامعہ نگر' نئی دہلی- صفحات: ۵۰- قیمت: درج نہیں-

۶۱ سال قبل کی یہ تحریر امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال میں کچھ زیادہ ہی اہم ہو جاتی ہے کہ آج بھی مسائل کی بنیادی نوعیت وہی ہے- حالات تبدیل تو ہوئے ہیں لیکن ۶۰' ۶۵ سال قوموں کی زندگی میں کوئی بڑی مدت نہیں- مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے اس تحریر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ملت اسلامیہ اپنا کھویا ہوا بلند مقام اسی وقت حاصل کر سکتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے یکسو ہو جائے اور ان جرائم کو ترک کر دے جو اہل کتاب کی امامت سے معزولی کا سبب بنے- انھوں نے قرآن پاک کی روشنی میں' اہل کتاب کے جرائم کی فہرست مرتب کی ہے جس کے آئینے میں آج کی امت مسلمہ اپنی تصویر دیکھ سکتی ہے: ۱- ملی افتراق ۲- تحریف کتاب ۳- کتمان حق ۴- حب عاجلہ اور کراہیت موت ۵- علماے سو ۶- امربالمعروف اور نہی عن المنکر سے اعراض ۷- احکام شرعی سے بے اعتنائی ۸- باہمی عداوتیں ۹- اکل حرام ۱۰- موالات کفار و مشرکین ۱۱- تلاش حیل ۱۲- جہل و رائے پرستی- قائدین امت کا فریضہ ہے کہ وہ امراض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کریں تاکہ امامت کبریٰ کا منصب پھر حاصل ہو سکے- (م - س) -

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

زخمی ،معذور اور بیمار مجاہدین ،مہاجرین کا ادارہ

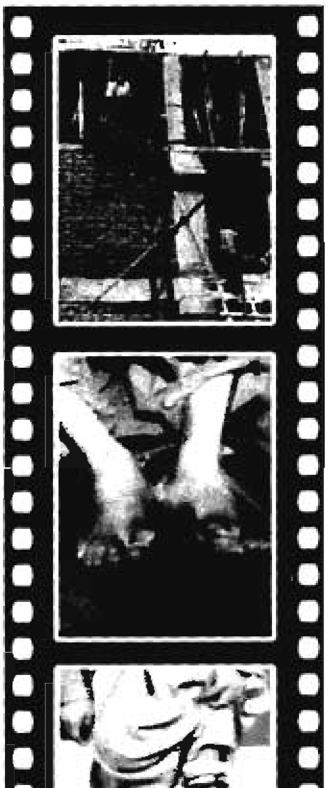
کشمیر سرجیکل ہسپتال

زیر اہتمام : پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

- اکتوبر 1990 سے جون 1999ء تک 360000 ہزار مریضوں کا مفت اور مکمل علاج کیا گیا۔
- 1000 سے زائد افراد کو فراست بائٹ سے نجات دلا کر معذور ہونے سے بچا لیا گیا۔ (الحمد للہ)
- تمام مہاجرین اور عسکری تنظیموں کے مجاہدین کا مکمل اور مفت علاج کیا جا رہا ہے
- کشمیر سرجیکل ہسپتال کے تحت متحدہ جہاد کونسل میں شامل تمام تنظیموں کے کیمپوں 60 فرسٹ ایڈ سنٹر کام کر رہے ہیں
- روزانہ 250 سے 350 مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے
- ہسپتال کے زیر اہتمام مہاجرین کے کیمپوں میں چار مستقل ڈسپنسریاں اور چار ایمبولینس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں جبکہ کیمپوں میں چار نئی ڈسپنسریاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- مظفر آباد اور کوٹلی میں چار ایمبولنس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں
- دو نئے وارڈ کی تعمیر جاری ہے
- معذور مجاہدین اور مہاجرین کو 800 سے زائد مصنوعی اعضاء لگائے گئے

ہسپتال کے لئے تعاون صرف کراس چیک / ڈرافٹ کی صورت میں ارسال کریں۔ ٹریولر چیک کی صورت میں رقم ارسال نہ کریں۔

کیا آپ کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے



خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے

★ غزوہ ہند میں شریک ہے ★ اپنی ملت کی زخمی شہ رگ سے بہتے لہو پر مرہم رکھ رہا ہے ★ زخمی و معذور مجاہدین و مہاجرین کی خدمت اور عیادت کا ثواب حاصل کر رہا ہے ★ عظیم ملی فریضے کی ادائیگی کر رہا ہے

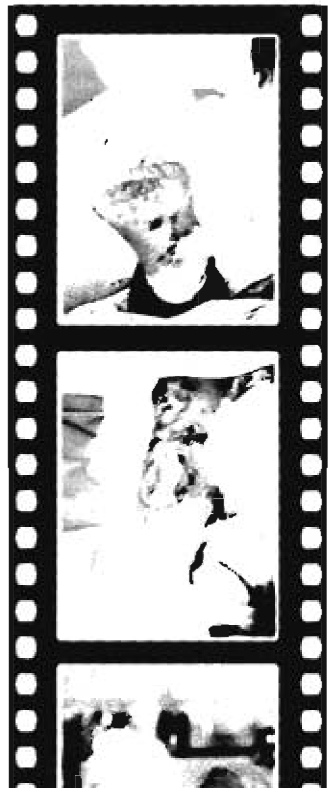
اور رسول ﷺ سے جنت کی بشارت پا رہا ہے (الحدیث) اور جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً بہت ہی محروم ہے

آپ نقد عطیات کے علاوہ ادویات کی صورت میں بھی مدد کر سکتے ہیں

تعاون کے لیے

اکاؤنٹ نمبر 1128
بنک آف پنجاب
مظفر آباد آزاد کشمیر

ڈاکٹر محمود حسین گیلانی (میڈیکل سپرنٹنڈنٹ)
کشمیر سرجیکل ہسپتال پولٹری فارم روڈ مظفر آباد آزاد جموں کشمیر
فون۔ 058810-3700



C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE,